فارسی زبان وادب ۔ I

[اختیاری کورس]

یونٹ ۱ تا ۹ | ایم اے (اردو) | کورس کوڈ ۵۶۲۱

شعبۂ اردو

علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی، اسلام آباد

کورس ٹیم

چیئرمین:	ڈاکٹر عبدالعزیز ساحر (انچارج شعبہ اردو)
ادارۂ تحریر:	ڈاکٹر محمد صدیق خان شبلی ڈاکٹر محمد اقبال شاہد ڈاکٹر عارف نوشاہی
فاصلاتی تشکیل:	ڈاکٹر نثار احمد قریشی ڈاکٹر عبدالعزیز ساحر
تدوین:	شعبۂ اردو
کورس رابطہ کار:	ڈاکٹر عبدالعزیز ساحر

فہرست

تعارف		vi
مقاصد		vii
یونٹ نمبر ۱	فارسی زبان کی تاریخ ڈاکٹر محمد اقبال شاہد	01
یونٹ نمبر ۲۔۳	فارسی ادب کی تاریخ ڈاکٹر محمد اقبال شاہد	23
یونٹ نمبر ۴۔۵	اردو پر فارسی زبان کے اثرات ڈاکٹر محمد صدیق خان شبلی	63
یونٹ نمبر ۶۔۹	فارسی زبان کے بنیادی قواعد ڈاکٹر عارف نوشاہی	97

تعارف

ایم اے اردو کا اختیاری کورس ''فارسی زبان و ادب'' پیشِ خدمت ہے۔ اس مطالعاتی رہنما میں آپ فارسی زبان وادب کی تاریخ کا مطالعہ کریں گے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ اردو زبان اور ادب پر فارسی کے اثرات کا جائزہ بھی لیں گے۔ فارسی برصغیر پاک و ہند میں صدیوں تک علمی، ادبی اور دفتری زبان رہی ہے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد اگرچہ اس کے اثرات کم ہوئے ہیں، لیکن اس کی اہمیت کم نہیں ہوئی۔ یہ زبان تہذیب اور ثقافت کی ترجمان رہی ہے اور ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اردو کے طلبہ و طالبات اس زبان اور اس کی ادبیات سے حتی المقدور آگاہ ہوسکیں۔ چوں کہ فارسی اور اردو میں چولی دامن کا ساتھ ہے، اس لیے ان دونوں زبانوں کا فکری اور علمی سرمایہ بھی مشترک ہے۔ اردو نے سیکڑوں محاورات، امثال الفاظ اور تراکیب فارسی سے لی ہیں۔ ان کی اصناف سخن بھی ایک ہیں اور اسالیب میں بھی باہمی اشتراک کے رویے دکھائی دیتے ہیں۔ صرف ونحو اور قواعدِ زبان میں بھی خاصا اشتراک پایا جاتا ہے۔ اردو زبان میں تقریباً پچاس فی صد الفاظ فارسی زبان کے ہیں۔ اردو کے ابتدائی ادوار کے شاعر فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں طبع آزمائی کرتے رہے ہیں۔ ہمارے قومی شاعر علامہ محمد اقبال کا بھی زیادہ تر کلام فارسی میں ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اردو زبان و ادب کے طلبہ فارسی زبان و ادب سے اپنے علمی اور ادبی شغف کو بڑھائیں۔ انھی مقاصد کے پیشِ نظر یہ کورس ایم اے اردو میں شامل کیا گیا ہے۔ فارسی زبان کے بنیادی قواعد اور اصول وضوابط بھی اس کورس کا حصہ ہیں، تاکہ طلبہ ان اصولوں کی روشنی میں فارسی گرامر کی مبادیات سے آگاہ ہوسکیں۔ ایران اور برصغیر کے بعض نامور شعرا کے کلام کا اردو ترجمہ بھی شاملِ نصاب ہے۔ اسی طرح گلستانِ سعدی کی بعض حکایات کا ترجمہ بھی شامل کیا گیا ہے، تاکہ طلبہ ان تراجم کی روشنی میں فارسی نظم ونثر کو سمجھ سکیں۔

مقاصد

اس کورس کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

۱۔ فارسی زبان وادب کی تاریخ سے آگاہ ہوسکیں۔

۲۔ فارسی ادب کے اردو زبان وادب پر اثرات سے آشنا ہوسکیں۔

۳۔ فارسی قواعد سے متعارف ہوسکیں۔

یونٹ............۱

فارسی زبان کی تاریخ

تحریر: ڈاکٹر محمد اقبال شاہد

فہرست

صفحہ نمبر

یونٹ کا تعارف -- 05

یونٹ کے مقاصد -- 05

۱۔ فارسی زبان وادب کی تاریخ -- 07

۱.۱۔ فارسی باستان -- 08

۱.۲۔ اوستائی -- 11

۱.۳۔ پہلوی --- 16

۱.۴۔ ہزوارش --- 18

۲۔ فارسی شاعری قبل از اسلام -- 20

۲.۱۔ سرودخسروانی --- 20

۲.۲۔ چکامک (چکامہ) -- 20

۲.۳۔ ترانک (ترانہ) -- 21

۲.۴۔ خودآزمائی -- 21

مجوزہ کتب برائے مطالعہ -- 21

تعارف

عزیز طلبہ وطالبات!

فارسی زبان کے روابط از منۂ قدیم سے ہندی زبانوں کے ساتھ رہے ہیں اور ماہرینِ لسانیات فارسی زبان کو ''ہندوایرانی'' زبانوں کے گروپ میں شامل کرتے ہیں، جو''ہندو یورپی'' زبانوں کی ایک شاخ ہے۔موجودہ فارسی زبان کی تشکیل تیسری صدی ہجری میں ہوئی اورقدیم ایرانی زبانوں مثلاً: اوستائی، پارسی، باستان، سغدی اور پہلوی زبانیں اس کی صورت گری میں شامل ہیں۔اس یونٹ میں فارسی زبان کے ارتقااور تاریخِ ادبیات پیش از اسلام کا مطالعہ کیا جائے گا،تا کہ فارسی زبان کے بنیادی اورابتدائی سرچشموں سے آ گاہی ہو سکے۔

مقاصد

اس یونٹ کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہوسکیں گے کہ:

۱۔ فارسی زبان کے لسانی گروہ سے آشنا ہوسکیں۔

۲۔ فارسی زبان کی تشکیل کی تاریخ سے آ گاہ ہوسکیں۔

۳۔ قدیم ایرانی زبانوں سے متعارف ہوسکیں۔

۱۔فارسی زبان وادب کی تاریخ

ہندو یورپی اقوام کے ایک گروہ نے وسطی ایشیا کی طرف مہاجرت کی اوراس سرزمین کو اپنا مسکن بنا کر آباد ہوگیا۔ مورخین اس گروہ کو ''قبیلہ ہندو ایرانی'' لکھتے ہیں۔ ''ہندو ایرانی'' مدت تک مشترک زبان اور واحد عقیدے کے ساتھ دریائے خوارزم کی حدود میں زندگی بسر کرتے رہے۔ بعدازاں یہ دو شاخوں میں منقسم ہوئے، ایک گروہ افغانستان کے شمال میں ہندوکش کا پہاڑی سلسلہ عبور کر کے درۂ سندھ میں آباد ہوا، جس سے ہندوقوم وجود میں آئی۔

دوسرا گروہ دریائے خوارزم اور دریائے جیحون کے ساحلوں کے اطراف میں منتشر ہوا اور کچھ مدت بعد فلات ایران کا رخ کیا۔ اس دستے نے ایرانی قوم کوتشکیل دیا اور ایرانی اقوام کے تین اہم مراکز وجود میں آئے۔

۱۔ شمال مشرقی ایران: دریائے خوارزم اور دریائے جیحون کے سواحل پر آباد ہونے والے قبائل، جن میں سے سلسلۂ کیانی، جس کا ذکر ایرانی داستانی ادب، مثلاً: شاہنامہ فردوسی وغیرہ میں ملتا ہے۔ زردشت (قدیم ایرانی پیغمبر) نے اسی قبیلہ میں ظہور کیا اور اپنی مقدس کتاب اوستا لائے۔

۲۔ جنوب ایران، سیستان، خلیج فارس اور بحیرۂ عمان کے ''ھخامنشی'' قبائل، جنھوں نے ایران میں ایک بہت بڑی حکومت تشکیل دی۔

۳۔ شمال مغرب اور کوہ البرز کی جنوبی وادیوں میں بسنے والے ''ماؤ'' قبائل۔

ان تین بنیادی و اساسی مراکز میں تازہ زبانیں اور جدید لہجے میں آئے، جو ہندو یورپی زبان سے منشعب ہوئے ہیں، ان زبانوں کے آثار بھی دریافت ہوئے ہیں۔ اس طرح قدیم ایرانی زبانوں اور لہجوں کو تین گروہوں میں تقسیم کیا جاتا ہے:

۱۔ مشرقی زبانیں/ لہجے، اوستائی جن میں سے سب سے بڑی زبان ہے۔

۲۔ مرکزی اور مغربی زبانیں/ لہجے جن میں سب سے زیادہ اہم ''ماوی'' زبان ہے۔

۳۔ جنوبی زبانیں/ لہجے جن کی نمائندہ زبان فارسی باستان، جسے فرس قدیم بھی کہتے ہیں اور ھخامنش دور کے کتبے اس زبان میں لکھے گئے ہیں۔

امرِ واقعی ہے کہ زبانیں اور لہجے ہمیشہ ایک ہی حالت میں نہیں رہتے۔ ان میں سیاسی واقعات و حالات، مرورِ

زمان (گزشتِ زمان) قبائل وعشائر کے میل جول، معاشرتی تحولات اور سب سے بڑھ کر زبان شناسی کے مسلم ارتقائی قوانین کے تحت تغیرات رونما ہوتے ہیں۔ اس قاعدے کے مطابق ایرانی قدیم زبانوں میں بھی تازہ اور نئی صورتیں وجود میں آتی ہیں اور موجودہ فارسی کی تشکیل تک درج ذیل تین اثرات بیان کیے جاتے ہیں:

۱۔ قدیم زبانوں کے لہجوں کے اثرات، مثلاً: اوستائی، مادی، فارسی باستان۔

۲۔ متوسط زبانوں کے لہجوں کے اثرات، مثلاً: پہلوی اشکانی، پہلوی ساسانی اور سعدی زبان وغیرہ۔

۳۔ جدید/ زبانوں کے اثرات، مثلاً: دری، فارسی، جنوبی عربی، مرکزی ایرانی زبان، کروی آذری اور پشتو (افغانی)۔

موجودہ فارسی زبان کی تشکیل میں تین ایرانی زبانوں کا مرکزی کردار ہے۔ یہ ایسی زبانیں ہیں جن کے آثار آج بھی موجود ہیں اور ادبیاتِ قدیم کا درجہ رکھتے ہیں، اس لیے ان زبانوں کا تعارف ضروری ہے۔

۱.۱ فارسی باستان

موجودہ فارسی کی اصل اور بنیاد، جن قدیم زبانوں میں ملتی ہے، ان میں سے ایک فارسی باستان ہے، جو ایران میں ھخامنشیوں کے زمانۂ سلطنت (۵۵۹-۳۳۰ق م) میں سرکاری زبان تھی۔ یہ زبان خطِ میخی میں لکھی جاتی تھی۔ اس زبان کے آثار پتھر پر کندہ کتبوں، پتھروں، سونے چاندی کی تختیوں، نگینوں اور برتنوں پر کھدے ہوئے ملتے ہیں، جن ھخامنشی بادشاہوں کے آثار اس زبان میں موجود ہیں، ان کے نام یہ ہیں:

کوروش اعظم (۵۵۹- ۵۲۱ق م)، داریوش بزرگ (۵۲۱-۴۸۵ق م)، خشایارشاہ (۴۶۵-۴۸۶ق م)، اردشیر اول (۴۶۵- ۴۲۵ق م)، داریوش دوم (۴۲۹-۴۰۵ق م)، اردوشیر دوم (۴۰۴-۴۵۹ق م)، اردشیر سوم (۳۵۹-۳۳۸ق م)

یہ کتبے مندرجہ ذیل مقامات سے دستیاب ہوئے ہیں:

مرغاب، تختِ جمشید، نقشِ رستم (فارس)، شورش (عیلام)، کوہِ بیستون، ہمدان، الوند (ماد)، وان (ارمنستان) اور سوئز (مصر)۔

سب سے بڑا کتبہ وہ ہے، جو کوہ بیستون پر تین قسم کے خطِ میخی اور تین مختلف زبانوں یعنی فارسی باستان، بابلی اور عیلامی میں کندہ ہے۔ یہ کتبہ داریوش بزرگ (۵۲۲-۴۸۶ق م) کے فرمان کے مطابق کندہ کیا گیا تھا۔ اس میں شہنشاہ نے

اپنے چار پانچ سال کے عہدِ حکومت کے واقعات کو قلم بند کرایا ہے اور ان حریفوں کی شکست اور قتل کا ذکر کیا ہے، جو اس کے مقابل آئے۔ فارسی باستان ۵۱۵ سطروں میں، بابلی ۱۴۱ سطروں میں اور عیلامی ۹۵۰ سطروں میں ہے۔

اس زبان کے قدیم ترین نمونہ وہ ہے، جو چند چھوٹے چھوٹے جملوں پر مشتمل ہے اور دشتِ مرغاب (فارس) میں دستیاب ہوا ہے اور کورش سے متعلق ہے۔ مرغاب ھخامنشیوں کا سب سے پہلا دارالسلطنت رہا ہے۔ یونانیوں نے اسے ''پاسارگاد'' لکھا ہے۔ داریوش نے اپنا پایۂ تخت اس مقام کو منتخب کیا ہے، جسے آج کل ''تختِ جمشید'' کہتے ہیں اور یونانیوں نے ''پرس پولیس'' (Perse Polics) کے نام سے اس کا ذکر کیا ہے۔ حمد اللہ مستوفی نے نزھتہ القلوب (۸۴۰ھ) میں ''چہل منار'' کے نام سے اس کا تذکرہ کیا ہے۔ فارسی باستان کا جدید ترین نمونہ وہ ہے، جو اردشیر سوم سے متعلق ہے اور تختِ جمشید میں موجود ہے۔

خطِ میخی سنۂ عیسوی کے آغاز سے پہلے ہی ناپید ہو گیا اور اس کی جگہ خطِ آرامی نے لے لی۔ اس کے بعد یہ پرانی زبان اور اس میں لکھی ہوئی چیزیں گوشۂ گمنامی میں جا پڑیں۔ ھخامنشیوں کی تحریریں سحر آمیز نقوش شمار ہوتی رہیں، یہاں تک کہ جرمنی کے سیاح، کاستن نبوہو (Carsten Nicbubs) نے مارچ ۱۷۶۵ء میں تختِ جمشید کے دو کتبوں کی تصویریں بنائیں۔ گروتفند Grothfend نے ۱۸۰۲ء میں ان دو تصویروں کے مطالعے کے بعد خطِ میخی کا انکشاف کیا۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ ڈیڑھ سو سال کے تجسس اور کاوش کے نتیجے میں خطِ میخی کے تمام کتبے پڑھے جا چکے تھے اور آج ہم اس زبان کو صرف و نحو تک جاننے کے قابل ہو گئے ہیں۔ اب تک اس زبان کے ۶۰۰ کے قریب الفاظ معلوم ہو چکے ہیں، جن کا استعمال مذکورہ بالا تحریروں میں ہوا ہے۔ ۱۳۱۲ شمسی ہجری میں تختِ جمشید سے کئی ہزار مٹی کی اینٹیں نکلی ہیں، جن پر عیلامی خطِ میخی میں تحریریں موجود ہیں۔ ان پر بارہ مہینوں کے نام لکھے ملے ہیں۔ ان سے پہلے صرف نو نام معلوم تھے۔ اس عیلامی میں بھی فارسی باستان کے چند نئے الفاظ پڑھے گئے ہیں۔

آثار:

فارسی باستان کی کوئی تحریر کتابی شکل میں موجود نہیں، البتہ پتھروں پر کندہ تحریریں منکشف ہوئی ہیں، جن کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

۱۔ شہر پاسارگاد میں خطِ میخی میں ایک عبارت دستیاب ہوئی ہے، جن کے الفاظ یہ ہیں: ''من کوروش ھخامنشی ام'' ایک مجسمہ پر یہ عبارت لکھی ہوئی ملی ہے: ''من کورش شاہ بزرگم''۔

۲۔ کوہِ بیستون میں ایک بہت بڑے پتھر پر دو کتبے درج ہیں۔ بڑا کتبہ خطِ میخی میں ہے اور فارسی قدیم، عیلامی اور بابلی زبانوں میں دو ہزار الفاظ پر مشتمل ہے۔ چھوٹا کتبہ فارسی اور عیلامی زبان میں ہے اور ڈیڑھ سو الفاظ پر مشتمل ہے۔ ان تحریروں میں داریوش نے اپنی فتوحات کا ذکر کیا ہے۔ اس تحریر سے عہدِ ھخامنشی کی تاریخ کا کچھ حصہ روشن ہوا ہے۔

۳۔ کتبۂ تختِ جمشید: شیراز کے نزدیک تختِ جمشید میں ایک شہر آباد تھا، جہاں شاہی محلات کے آثار اب تک دیکھے جا سکتے ہیں۔ یہاں عمارات ہیں اور دوسری جگہوں میں داریوش خشایارشاہ اور اردشیر کے کتبے باقی رہ گئے ہیں۔ یہ تین زبانوں فارسی، عیلامی اور آشوری میں لکھے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ تین ہزار اینٹیں ملی ہیں، جن پر خطِ میخی تحریر موجود تھی۔ سونے چاندی کی تختیاں بھی دستیاب ہوئی ہیں، جن پر خطِ میخی میں تحریریں کندہ ہیں۔

۴۔ آبنائے سویز میں کتبہ: یہ مصر سے ملا ہے اور داریوش اول کی طرف سے لکھا ہوا ہے اور 80 (اسی) الفاظ پر مشتمل ہے۔

۵۔ کتبۂ نقش رستم: شیراز شہر کے نزدیک ایک بلند پہاڑ پر داریوش اپنے تخت پر دکھایا گیا ہے، یہاں بھی اس کے حکم سے تحریر کندہ ہے۔

۶۔ شوش کے کتبے: شوش ھخامنشیوں کا سرمائی دارالحکومت تھا۔ اس کے آثار میں سے اینٹیں ملی ہیں، جن پر خطِ میخی میں تحریریں موجود ہیں۔ یہ بھی فارسی اور بابلی زبانوں میں ہیں۔ ایک بڑا کتبہ ملا ہے، جو کتبہ بیسون سے کم درجے کا ہے۔ شوش کے محلات اور قلعے سے مکشوفہ ستونوں، مجسموں، تختیوں، سنگِ مرمر کی میزوں وغیرہ پر بھی چھوٹی چھوٹی تحریریں فارسی، عیلامی اور آشوری میں لکھی ہوئی ملی ہیں۔

۷۔ کرمان میں پتھر کا ایک ٹکڑا ملا ہے، جس پر داریوش نے تین زبانوں میں اپنا اور اپنے باپ کا نام کندہ کروایا ہوا ہے۔

۸۔ کوہِ الوند پر کندہ دو کتبے ملے ہیں۔ ایک پر ادھورا مزدا کی تعریف اور اس کے باپ کا نام درج ہے۔ دوسرا کتبہ خشایارشاہ کے نام سے ہے اور پہلے کتبے سے مشابہ ہے۔

۹۔ ہمدان کے کتبے:

(الف) دو پتھروں کی سلیں موجود ہیں، جن پر داریوش نے اپنی حکومت کی حدود کو مشخص کیا ہے۔

(ب) ستون کے نچلے حصے پر اردشیر دوم کا کتبہ، جس پر اس نے اپنے اور اپنے باپ کا نام درج کیا ہے اور

ادھورامزداانا ہتا اور میترا کی تعریف کی ہے۔

۱۰۔ کتبہ وان، ارمنستان کے قلعے کے اندر ایک نہایت صاف و شفاف عمودی پتھر خشایار شاہ نے ادھورا مزدا کی تعریف کے بعد اپنا تعارف کرایا ہے۔

۱۱۔ داریوش کی چوکور مہر جس پر یہ عبارت کندہ ہے: ''من داریوش شاہ ام''۔

۱۲۔ مرمر سیاہ کا ایک باٹ جس پر 'منم داریوش شاہ بزرگ پر ویتاب ھخامنشی' کندہ ہے۔

۱۳۔ گل دانوں پر خشایارشاہ بزرگ اور اردشیر بزرگ کے نام درج ہیں۔ بعض مہروں پر اس دور کے خاص نام کندہ دستیاب ہوئے ہیں۔

ان متذکرہ کتبوں کے علاوہ دوسری جگہوں سے بھی کتبے دستیاب ہوئے ہیں، جو دوسری زبانوں میں ہیں۔ ان میں سے بعض تو ختم ہو چکے ہیں اور کچھ ناقص حالت میں موجود ہیں۔ بعض اشیا بھی دریافت ہوئی ہیں، جن پر خطِ میخی میں بادشاہوں کے نام درج ہیں۔ بیستون اور تختِ جمشید کی زبان کے نمونے موجود حروفِ ہجائی میں پیش کیے جاتے ہیں۔

۱.۲۔ اوستائی:

اوستائی زرتشتیوں کی کتابِ مقدس اوستا کی زبان ہے۔ یہ زبان بھی ایرانی الاصل ہے اور موجودہ فارسی کی اصل بنیاد شمار ہوتی ہے۔ یہ زبان کئی لحاظ سے فارسی باستان سے مشابہ ہے۔ یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ یہ زبان کہاں بولی جاتی تھی۔ شمال مغرب میں یا آذربائیجان میں جو زرتشت کی جائے پیدائش تھی یا شمال مشرقی یعنی بلخ میں جہاں زرتشت نے گشتاسب کے پاس پناہ لی اور جس سرزمین سے ان کے پیرو پیدا ہوئے اور رفتہ رفتہ ان کی تعلیمات دوسرے علاقوں میں پھیل گئیں، جو زرتشتیوں کے عقائد و عبادات و اعمال کی زبان رہی ہے، اس لیے اس دین کے پیرووں کی اپنی زبان میں اس زبان کا دخیل ہونا لازمی تھا۔ چنانچہ ساسانیوں کے زمانۂ سلطنت میں پہلوی زبان میں اوستا کی جو تفسیر لکھی گئی، اس میں اوستائی کے سیکڑوں الفاظ مستعمل ہیں۔ یہ زبان جس خط میں لکھی جاتی تھی، تا حال اس کا کوئی سراغ نہیں ملا۔ اوستا جس خط میں لکھی گئی ہے، وہ خط آرامی سے ماخوذ ہے اور ساسانیوں کے عہدِ سلطنت میں وضع کیا گیا تھا۔

زبانِ اوستائی دنیا کی قدیم ترین زبانوں میں شمار ہوتی ہے اور سنسکرت اور ویدوں کی زبان کے ہم پلہ ہے۔ تاریخی اعتبار سے زرتشت کا زمانہ پندرہ سو سال قبل مسیح سے کمتر نہیں ہوسکتا۔ گویا یہ زبان تقریباً تین ہزار سال پرانی ہے، یعنی موجودہ فارسی الفاظ کی سند تین ہزار سال پہلے کی زبان میں موجود ہے۔ موجودہ اوستا مندرجہ ذیل حصوں پر مشتمل ہے: یسنا، ویسپرد،

یشتہا، وندیداد، خردہ اوستا۔

سب سے اصل حصہ گاتھا (گاثا) ہے۔ ساسانیوں کے عہدِ سلطنت میں اکیس نسک (اجزائے کتاب/ ابواب) موجود تھے۔ عربوں اور تتاریوں کے حملوں میں کافی کچھ حصہ ضائع ہو گیا اور اب ایک چوتھائی حصہ باقی ہے۔ اوستا کے بہت سے اصلی الفاظ پہلوی اور دوسری تحریروں میں باقی رہ گئے ہیں۔ ان تمام ماخذات میں زبانِ اوستا کے چھ ہزار اا الفاظ موجود ہوں گے۔

یہ بھی ظاہر ہے کہ اوستا کے قطعات پہلے سینہ بہ سینہ چلے آئے۔ پھر ایک خط میں لکھے گئے۔ ھخامنشیوں کے اواخر میں کتابی صورت میں مدون و مرتب ہوئے۔ حملۂ سکندر (۳۳۱ ق م) کے وقت شاہی دبیر خانہ اور گنجینۂ شیزگان میں دو نسخے محفوظ تھے۔ اول الذکر تو شاہی محل کے ساتھ جل کر راکھ ہو گیا، جو بچ گیا یونانیوں کے تصرف میں آیا اور بعد میں جس کا ترجمہ یونانی میں ہوا۔ اشکانیوں کے عہدِ سلطنت میں بلاش اول (۵۱۔۷۸ء) کے حکم سے اوستا کے متفرق اجزا کو جمع کیا گیا۔ اردشیر بابکان (۲۲۶۔ ۲۴۱ء) نے دوبارہ اوستا کو مرتب کروایا اور شاہی خزانے میں محفوظ کیا۔ شاپور اول کے عہدِ سلطنت (۲۴۱۔ ۲۷۲) میں طب، نجوم، جغرافیہ اور فلسفہ کے افکار: ہندی اور یونانی ماخذوں سے حاصل کر کے اوستا میں بڑھائے گئے۔ چونکہ مذہب میں بہت سے اختلافات رونما ہو چکے تھے، اس لیے شاپور دوم (۳۰۹۔ ۳۷۰ء) نے آذربد مارسپندان کو حکم دیا کہ وہ ان اختلافات کو رفع کرنے کی غرض سے تجدیدِ نظر کرے۔ چنانچہ اس نے دینداروں کی ضرورتوں کے مدِنظر مطالب اقتباس کر کے خردہ اوستا مرتب کی۔

اوستا جس خط میں لکھی گئی اس کے حروفِ تہجی کو دین دبیری کہتے تھے۔ اشکانیوں اور ساسانیوں کے زمانوں میں زبانِ اوستا متروک ہو چکی تھی، اس لیے خیال پیدا ہوا کہ نئے خط میں اس کو محفوظ کر لیا جائے، تاکہ دستبردِ زمانہ سے محفوظ رہ جائے، لیکن وقت کی زبانوں یعنی پہلوی اشکانی اور پہلوی ساسانی کے مروجہ رسم الخط بڑے ناقص اور پیچیدہ تھے اور ان کا درست پڑھنا غیر یقینی تھا، مثلاً: علامت ''ا'' کو و، ن، ر، ل، پڑھا جا سکتا ہے۔ اس لیے علمائے دین نے پہلوی سے ملتا جلتا ایک خط نکالا، جس میں حروف کی تعداد چوبیس ہے۔ ہر صامت اور مصوت کے لیے الگ الگ علامت مقرر ہے۔ اس لیے خطِ اوستائی کا شمار دنیا کے بہت بہترین خطوں میں ہوتا ہے۔ اس خط کی برکت سے اوستا کا حرف حرف محفوظ ہو گیا۔

پہلوی کتابوں کی روایت کے مطابق عہدِ ھخامنش کی اوستا ایک ہزار فصل پر مشتمل تھی اور اکیس کتابوں یا نسکوں میں منقسم تھی۔ سکندر کے حملے میں اس کا بہت سا حصہ ضائع ہو گیا۔ ساسانیوں کے زمانے میں جب دوبارہ منتشر شیرازوں کو اکٹھا گیا، تو صرف 348 فصلیں دستیاب ہوئیں۔ ان کو بھی پرانی تقسیم کے مطابق اکیس نسکوں میں منقسم کیا گیا۔

پروفیسر وسٹ کی گنتی کے مطابق اس کے کلمات کی تعداد ۳۴۵۷۰۰ تھی۔ عربوں اور مغلوں کے حملوں سے اس کا دوسرا بہت سا حصہ بھی ضائع ہوگیا۔ موجودہ باقی ماندہ اوستا ۸۳۰۰۰ الفاظ پر مشتمل ہے۔ ۱۳۲۵ء کا لکھا ہوا اوستا کا قدیم ترین نسخہ پنہاگ میں موجود ہے۔ موجودہ اوستا پانچ حصوں میں منقسم ہے۔

۱۔ یسنا

۲۔ ویسپرد

۳۔ وندیداد

۴۔ یشتہا

۵۔ خردہ اوستا

۱۔ یسنا:

اوستا کا بڑا اہم حصہ ہے۔ یسنا کے معنی ستائش، پرستش، نماز اور جشن ہیں۔ لفظ جسن اسی سے مشتق ہے۔ جشن سنسکرت میں ''یجنہ'' اور پہلوی میں ''یزشن'' ہے۔ یہ حصہ بہتر فصلوں پر مشتمل ہے۔ ہر فصل کو ''ھائیتی'' یا ''ھات'' کہتے ہیں۔ پارسی لوگ جو اپنی کمر کے گرد زنار کی طرح کستی کو تین مرتبہ لپیٹتے ہیں، وہ انھیں بہتر ''ھات'' کی مناسبت سے سفید اون کے بہتر دھاگوں سے بنی ہوتی ہے۔ ان بہتر فصلوں میں سترہ فصلیں وہ ہیں، جو گاتھا کے نام سے مشہور ہیں اور یہ اوستا کا قدیم ترین حصہ ہے۔ صرف ونحو اور زبان وفکر کے اعتبار سے یہ حصہ اوستا کے باقی حصوں سے مختلف ہے۔ گاتھا کے معنی سرود یا گیت کے ہیں۔ یہ لفظ، پہلوی میں گاسا ہے اور سنسکرت میں گاتھا، خود پانچ حصوں پر مشتمل ہے۔

۲۔ ویسپرد:

یہ کلمہ دو لفظوں سے مرکب ہے: ویسپ + رد، ویسپ کے معنی ہیں تمام، اور رد کے معنی ہیں دلیر و دانا۔ رد کلمہ اوستائی ''رتو'' سے ماخوذ ہے۔ یہ مستقل کتاب نہیں ہے، بلکہ یسنا کے ملحقات میں شمار ہوتی ہے اور مراسمِ مذہبی میں یسنا کے بغیر پڑھی نہیں جاتی۔ اس کی فصل کو ''کروہ'' کہتے ہیں، جو کلمۂ اوستائی ''کرتی'' سے ماخوذ ہے جس کے معنی فصل یا باب کے ہیں۔

۳۔ وندیداد:

اس کا اوستائی نام ''وی دوَ داتہ'' (Vidavedadata) تین لفظوں سے مرکب ہے۔ وی بمعنی ضد، دوَ یعنی دیو اوردانہ یعنی داد (قانون) مجموعی معنی ہوئے دیو یعنی شیطان کے خلاف قانون۔ اس کی ہر فصل کو فرگرد کہتے ہیں اور وہ بائیس فصلوں پر مشتمل ہے۔ پہلی فصل میں زمین وممالک کی آفرینش کا بیان ہے۔ دوسری میں داستانِ جم ہے۔ تیسری دنیا کی راحت وناراحت کا بیان ہے۔ باقی دینی احکام پر مشتمل ہیں، مثلاً: قسم کھانا، وعدہ کرنا اور عہد توڑنا، جسم اور پانی کو پاک وصاف رکھنا، توبہ اور کفارہ، خیر کے آداب، لاش اور مردار سے پرہیز، مرغ کا بیان جو لوگوں کو اپنی بانگ سے خدا کی حمد وستائش کے لیے بیدار کرتا ہے۔ آخر میں کتے کی صفات بیان کی ہیں اور اس کو عزیز رکھنے کی نصیحت درج ہے۔

۴۔ یشتہا:

یہ بھی یسنا سے ماخوذ ہے، لیکن اس کے معنی اس نیایش اور فدیہ کے ہیں، جو پروردگار امشاسپندان ان اور ایزدان کے لیے مخصوص ہو۔ یشت اپنی پہلی صورت میں ہجائی اشعار کا عمدہ نمونہ تھے، لیکن اب چونکہ تفسیر کا حصہ بھی اس میں شامل ہو گیا ہے، اس لیے وہ پہلا وزن قائم نہیں رہا، لیکن اب بھی آٹھ آٹھ دس دس ہجا پر مشتمل موزوں اشعار ترتیب دیے جا سکتے ہیں۔ کل اکیس یشت ہیں۔

۵۔ خردہ اوستا:

خردہ اوستا یعنی چھوٹی اوستا، آذر بدمہر اپسند موبد موبدان نے شاپور دوم (310-379ء) کے عہد میں اس کو مرتب کیا۔ یہ گویا ایک زرتشتی کے لیے مختصر انجیل ہے، جس میں سال کے مذہبی تہواروں، متبرک دنوں اور دن کے مختلف اوقات میں نمازوں اور دعاؤں کا ذکر ہے۔ صدری پہننے، کستی باندھنے، بیاہ شادی اور ماتم کی تمام رسوم سے بحث کی گئی ہے۔ اس کتاب کا تمام متن اوستائی میں نہیں ہے، بلکہ پازند میں ہے اور بہت بعد کے زمانے کا اضافہ ہے۔

خردہ اوستا کچھ نمازیں نیایش کے نام سے مذکور ہیں اور وہ پانچ ہیں:

۱۔ خورشید نیایش ۲۔ مہر نیایش ۳۔ ماہ نیایش
۴۔ اردویسود نیایش ۵۔ آتش بہرام نیایش

ان نیایشوں کے بعض حصوں میں خورشید یشت، ماہ یشت، آبان یشت اور بہرام یشت کے اشعار بھی شامل ہیں۔

اس کتاب کے ایک حصے کا نام ''سیروزہ'' ہے اور یہ دو ہیں: ایک بڑا اور دوسرا چھوٹا۔ اس کا ہر قطعہ تیس دنوں میں سے ایک دن کے فرشتے سے منسوب ہے اور اسی نام سے پکارا جاتا ہے۔ چند ایک اور نمازیں ہیں، جو مختلف جشنوں کے لیے مخصوص ہیں، اس کو آفرینگان کہتے ہیں۔ یہ کلمہ آفرین سے مشتق ہے، جس کے معنی دعا و نیایش ہے۔

زند:

یہ لفظ ادنتی (Azanti) سے مشتق ہے، جس کے معنی شرح و بیانِ تفسیر ہے۔ زبانِ پہلوی کے رواج سے پہلے خود زبانِ اوستائی میں ہی اوستا کی تفسیر لکھی گئی تھی، لیکن وہ متن کے ساتھ خلط ملط ہوگئی کہ اصل منظوم متن ہی غیر یقینی ہوگیا اور یہ حملۂ اسکندر میں اوستا کے ساتھ ہی ضائع ہوگئی۔ جب دوبارہ اوستا کے منتشر اوراق جمع ہوئے، تو یہ تفسیر بھی ساتھ ہی محفوظ رہی۔ بلاش اول شاہ اشکانی (۵۱۔۷۸ء) کے عہد میں جب اوستا تدوین ہوئی، تو اس کا ترجمہ پہلوی (اشکانی) میں ہوا اور تبھی سے تفسیرِ پہلوی یعنی زند شروع ہوئی اور ساسانی عہد کے اواخر تک جاری رہی۔ ظاہر ہے کہ اشکانیوں کے زمانے میں لکھی ہوئی، تفسیر پہلوی اشکانی میں تھی، پھر ساسانی پہلوی میں منتقل ہوئی۔ اس وقت موجودہ زند پہلوی ساسانی میں ہے۔ تفسیر کا زیادہ مفصل حصہ وندیداد اور یسنا سے متعلق ہے۔ زردشتیوں کا اعتقاد ہے کہ اوستا اور زند دونوں آسمان سے نازل ہوئی ہیں۔

پازند:

یہ دو لفظوں سے مرکب ہے پا+ زند، کلمہ ''پا'' پائیتی سے ماخوذ ہے، جس کے معنی نیچے حاشیہ/ ذیل کے ہیں۔ اصطلاحاً اس سے مراد تفسیر زند ہے، یعنی زبانی پہلوی میں سے ہزوارش کا عنصر خارج کر کے فارسی الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ اسی طرح پازند بھی گویا خود ایک زبان بن گئی ہے۔ خیال ہے کہ دوسری تیسری صدی ہجری میں لکھی گئی ہوگی۔ پازند ایک لحاظ سے پہلوی اور موجودہ فارسی میں ایک واسطہ ہے۔ پازند کو کبھی اوستائی میں لکھتے تھے اور کبھی خطِ فارسی میں اس زمانے کا فارسی خط مبہم ہے اور بعض ایسے نامانوس الفاظ استعمال ہوئے ہیں کہ ان کا سمجھنا دشوار ہے اور خط کا پڑھنا اور بھی مشکل ہے۔ البتہ جو خط اوستائی میں ہے، وہ بڑا اہم ہے۔ اس قسم کی بہت سی کتابیں موجود ہیں، لیکن ان میں سے تین کتابیں یادگار ہیں: دانائی مینوخرد، اوَ گمدئچا، ایا تکار جاماسپیک، مینوخرد دینی کتاب ہے، اس کا پہلوی متن بھی موجود ہے۔ متن اور تفسیر کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے۔

۱.۳۔ پہلوی:

پہلوی کو فارسی میانہ بھی کہتے ہیں۔اس میں اور موجودہ فارسی میں کوئی زیادہ فاصلہ نہیں ہے۔ یہ سرزمینِ پارت کی زبان تھی۔ یہ پارت وہی مقام ہے، جو فارسی باستان میں پرثوہ(Parthava) تھا اور ھخامنشیوں کے کتبوں میں اسی نام سے مذکور ہے۔ پرثوہ سے مراد موجودہ خراسان ہے۔ پہلوی اقوامِ پارت کی زبان تھی۔اشکانیوں کا خاندان بھی اسی قوم میں سے تھا۔اس لیے پہلوی بھی ان کی سرزمین پرثوہ سے منسوب ہوئی۔ پرثوہ سے پرتو، پرھو، پلھو بنا اور بعد میں پہلو ہوگیا۔ پارتھیوں کے بعد پہلوی اشکانیوں اور ساسانیوں کے دورِ سلطنت کی رسمی زبان شمار ہوتی رہی۔اشکانی پہلوی، آذربائیجان، خراسان، اصفہان، کردستان، سواحلِ غربی بحرِ خزر اور ارمنستان میں رائج تھی اور ساسانی پہلوی جنوب اور مغرب ایران میں درباری زبان رہی۔اس کو فارسی میانہ اس لیے کہتے ہیں کہ یہ زبان ہخامنشیوں کے اختتام اور اسلام کے آغاز کے درمیانی عرصے کی رائج زبان رہی، یعنی ۲۵۰ ق م سے لے کر ۶۵۱ء تک یعنی خاندان اشکانیان کے بادشاہ اول اشک کے عہدِ سلطنت سے ساسانیوں کے آخری بادشاہ یزدگرد سوم کے قتل تک اس زمانے کے بعد بھی، تیسری چوتھی ہجری تک اس زبان میں کتابیں لکھی گئیں۔ بارہ تیرہ سو سال کے اس عرصے میں بے شمار تصانیف و تالیفات کے باوجود بہت مختصر سی کتابوں کی تعداد اس زمانے تک پہنچی ہے۔ فاتح اقوام کے حملوں سے ذخیرۂ کتب ضائع اور برباد ہوگیا۔ پہلوی کتابوں کے ناپید ہو جانے کی وجہ ایک یہ بھی ہوئی کہ خطِ پہلوی کی بجائے خطِ عربی مقبول ہوگیا اور بتدریج خطِ پہلوی کا رواج ختم ہوگیا اور لوگ اس کو بھول گئے۔ چند زرتشتیوں کے سوا کوئی اور شخص اس خط کو نہیں پڑھ سکتا تھا، اس لیے بچی کھچی تحریریں گوشۂ گمنامی میں پڑی رہیں۔

دورہ اشکانیاں (۲۵۰ ق م سے ۲۲۴ء تک) کی زبان پہلوی سے سوائے چند ناموں اور چند مختصر تحریروں کے کچھ باقی نہیں رہا۔اکثر تحریریں ہیں، جو پتھر کے کتبوں پر ساسانی پہلوی کے ساتھ ساتھ کندہ ہیں، جو کتبوں، سکوں، مہروں، نگینوں، برتنوں اور کتابوں کی صورت میں ہم تک پہنچتا ہے، وہ عہدِ ساسانیاں سے لے کر ہجری سنہ کی ابتدائی صدیوں کے زمانے سے متعلق ہے۔

اشکانی پہلوی زبان و خط کا قدیم ترین نمونہ دو قبالوں (اسناد) کی صورت میں ہے، جو ''اورامان'' کردستان سے برآمد ہوئے ہیں، ان پر سال ۱۲۰ ق م درج ہے۔ مجمل التواریخ کے مؤلف نے لکھا ہے کہ عہدِ اشکانیاں میں ستر کتابیں موجود تھیں، ان میں سے صرف چار باقی ہیں۔ کتاب مروک، کتاب سند باد، کتاب یوسیفاس، کتاب سیماس۔ ایک اور رسالہ ''نخل و بز'' مناظرے سے متعلق ہے اور نثر و نظم سے مرکب ہے۔ ۱۹۴۸ء میں شوش سے ایک اور سنگی کتبہ برآمد ہوا

ہے، جواردوان پنجم (۲۱۳۔ ۲۲۶ء) کے عہدِ سلطنت سے متعلق ہے۔ یہ تحریر بھی پہلوی اشکانی میں ہے۔

ساسانی پہلوی کی پس ماندہ دینی کتابوں میں سے تفسیر اوستا ہے، جس کا کافی حصہ ضائع ہو چکا ہے اور جو کچھ باقی ہے، وہ تفاسیر یسنا، ویسپرد، وندیداد، یشتہا، پنج نیایش، سیروزہ اور خردہ اوستا کی چند عبادات وغیرہ ہیں۔

تقریباً پانچویں صدی ہجری تک پہلوی کتابیں لکھی جاتی رہی ہیں۔ عربی خط سے آشنائی کے بعد پہلوی رسائل فارسی میں ترجمہ ہوئے، مثلاً: ادی وا تکار زرایران، کارنامۂ اردشیر پاپکان وغیرہ، بعض کہانیاں جو شاہنامہ کا حصہ بن گئیں۔ فخرالدین گرگانی نے دورۂ اشکانی کی کہانی ''ویس ورامین'' کو منظوم کیا۔ ساتویں صدی ہجری میں زرتشت بھرام پژدو نے ارداویرافنامہ کو پہلوی سے شعر فارسی میں ترجمہ کیا۔

تفسیر کے علاوہ کتبے ہیں، جو شاہانِ ساسانی کے زمانے کی یادگار ہیں۔ یہ پتھروں پر کھدے ہوئے کتبے نقشِ رجب رستم حاجی آباد اور غار شاپور (فارس) اور طاق بستان و کرمانشاہ کے نزدیک موجود ہیں۔ ان میں سب سے بڑے اور اہم دو کتبے ہیں، جو شاپور (۲۴۱۔ ۲۷۲ء) کے زمانے سے متعلق ہیں، جو حاجی آباد اور کعبۂ زرتشت میں کندہ ہیں۔ چار کتبے کرتیر کے ہیں، جو شاپور اور بہرام دوم کے عہد میں موبدان موبد تھا۔ پہلا کتبہ نقش رجب میں ہے، دوسرا کعبۂ زرتشت میں شاپور کے کتبے کے نیچے، تیسرا نقش رستم میں، چوتھا مشہد میں، موخرالذکر مقام پر بہرام دوم (۲۷۵۔ ۲۹۲ء) کے کتبے بھی موجود ہیں۔ یہ کتبے تین خطوں اور تین زبانوں میں کندہ ہیں یعنی:

۱۔ پہلوی اشکانی (پارتی)

۲۔ پہلوی ساسانی (پارسیک)

۳۔ یونانی

ایک بہت بڑا اہم کتبہ عراق میں سلیمانیہ کے جنوب میں ''پایکولی'' کے مقام پر ملا ہے۔ ۱۸۳۶ء میں ایچ۔سی۔ راونسن نے اس کو دیکھا تھا۔ پھر ۱۹۱۱ء میں ہرتفلیڈ (Hetfzfeld) نے تحقیق و تفتیش کر کے اس خط کو پڑھا۔ کتبوں پر کندہ خط کتابی خط سے مختلف ہے اور اس کا پڑھنا بہت مشکل ہے۔

ملک الشعرا بہار نے سبک شناسی کی جلد اول میں تمام موجود پہلوی کتابوں کی فہرست تیار کی ہے، ان میں سے اکثر کا موضوع تفسیر اوستا دینی ہے اور چند کتابیں ادب و تاریخ اور ساسانی تمدن سے متعلق ہیں۔ چند مشہور کتابوں کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ کارنامۂ اردشیر پاپکان

۲۔ ادی وا تکار زر ایران

۳۔ اندرزخسرو

۴۔ درخت آسوریک

۵۔ ارداویرافنامہ

۶۔ بندھشن

۷۔ شایست ناشایست

۸۔ گنجِ شایگان

۹۔ گجستک ابالیش یوشت خریاں وغیرہ

۱.۴۔ ہزوارش:

پہلوی تحریروں میں خواہ وہ پتھروں پر کندہ ہیں یا اوستا کی تفسیریں ہیں، قبل از اسلام لکھی گئی ہیں یا بعد میں، ان میں آرامی زبان کے ہزاروں الفاظ استعمال کیے گیے ہیں۔ وہ آرامی میں لکھے گئے ہیں، لیکن آرامی تلفظ میں نہیں پڑھے جاتے بلکہ پڑھتے وقت ان کے ہم معنی پہلوی الفاظ بولے جاتے ہیں، ان کو ہزوارش کہتے ہیں۔

گویا وہ علامات ہیں، جن سے مراد خاص معنی لیے جاتے ہیں، مثلاً: انگریزی میں e.g لکھتے ہیں اور اس کو For Example پڑھتے ہیں، حالانکہ اصل لفظ Exampli Grantia ہے۔

اسی طرح آرامی کلمات کے مقابل میں پہلوی کلمات کو پڑھتے ہیں، مثلاً: ''ملکا'' لکھتے ہیں اور اس کو ''شاہ'' پڑھتے ہیں۔ خود الفاظ ہزوارش یا زوارش مصدر اور دارتن سے لیا گیا ہے، جس کے معنی بیان کرنا، شرح کرنا یا تفسیر کرنا ہے۔ تورخان (چینی ترکستان) سے جو پہلوی زبان میں تحریریں برآمد ہوئی ہیں، ان میں ہزوارش کا عنصر نہیں۔ ہزوارش یعنی آرامی کلمات کا ماخذ واصل سامی زبانیں، مثلاً: سریانی، عربی یا ان سے اوپر بابلی، آشوری اور اکدی زبانیں ہیں۔ آرامی کے ہم معنی الفاظ عربی میں بھی موجود ہیں۔ آرامی کے یہ الفاظ برھانِ قاطع میں بھی دیے گئے ہیں۔

پہلوی میں ہزوارش کے دخیل ہونے کی قابل قبول یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ سلاطین کے دفاتر میں لکھنے پڑھنے کا کام آرامی دبیروں کے ہاتھ میں تھا۔ ایرانی شرکائے کار تھے، لیکن اکثریت انھی کی تھی۔ بادشاہ لڑائیوں میں مصروف رہتے یا شکار کھیلتے اور عیش کی مجالس آراستہ کرتے، اس لیے آرامیوں کو اپنی زبان کے الفاظ داخل کرنے کا موقع ملتا رہا ہے۔ ایک

وجہ یہ بھی ہے کہ عوام میں آرامی خط کا رواج بھی تھا، اس لیے خط کے ساتھ زبان کے الفاظ کا دخیل ہو جانا بھی بعید نہ تھا۔ تقریباً ایک ہزار یا اس سے زیادہ ہزوارش کے الفاظ موجود ہوں گے، جو ادبی اور غیر ادبی تحریروں میں موجود ہیں۔

۲۔فارسی شاعری قبل از اسلام

جیسا کہ پہلے ذکر ہوا ہے فارسی زبان کی قدیم ترین شاعری زردشت کے گیت گانا/ کاتا/ کاتھا ہیں، جو ادھورا مزدا کی ستایش میں مناجات ،ادوار اور دعاؤں پر مشتمل ہیں۔ان اشعار کا زمانہ ایک ہزار سال قبل مسیح خیال کیا جاتا ہے۔گاتا کے بعد فارسی زبان میں تین طرح کے اشعار رائج تھے۔

۲.۱۔ سرودِ خسروانی:

یہ سرود/ گیت ان اشعار پر مشتمل تھے، جو شعرا اور گویئے بادشاہوں کے درباروں یا آتش کدوں میں ادھورا مزدا اور امشاسپندان کی تعریف وستایش میں گاتے تھے۔ان گیتوں کے اوزان اکثر ہجائی اور بغیر قافیہ کے ہوتے تھے۔ساسانی دور کے آخیر کے گیت قافیہ کے حامل ہیں۔بغیر قافیہ کے اشعار کا بہترین نمونہ اسلامی دور کے شاعر ابوطاہر خسروانی کے ہاں ملتا ہے، جو قبل از اسلام گیتوں کی پیروی میں لکھے گئے ہیں۔فرہنگ لغت فرس میں اسدی نے ذیل نمونہ نقل کیا ہے:

شاہم برگاہ درآرید
گاہش برتخت زریں
تختش در بزم برآرید
بزمش در نوکرد شاہ

۲.۲۔ چکامک:

قبل از اسلام فارسی شاعری کی ایک صنف ہے۔دری زبان میں چکامہ، چامہ اور چامک غزل کے معنوں میں آتا ہے۔ چکامک ۱۲ہجا پر مشتمل ہے۔ چکامک دراصل عشقیہ قصوں اور پہلوانوں کی حکایات کی شاعری تھی۔ پہلوی کی کتاب ''درخت آسوریک'' چکامک کی ایک نوع ہے۔شاہنامہ میں بہرام گور کی آرزو (ایک دہقان کی بیٹی) کے ساتھ عشقیہ داستان میں چکامہ کی مثال موجود ہے۔ساسانی دور کے نمونوں میں ایسی دوبیتیاں موجود ہیں، جو بعد میں بحر ہزج مسدس۔ ''مفاعلین مفاعلین مفاعیل'' کے وزن پر کہی گئی ہیں اور آج بھی لوک گیتوں میں زیادہ نظر آتی ہیں۔ بابا طاہر عریاں کی رباعیاں اسی قبیل کی ہیں۔اتفاقاً دورہ بعد اسلام کی عشقیہ داستانیں،مثلاً: نظامی گنجوی کی ''خسرو شیرین'' اور اسعد گرگانی کی ''ویس ورامین''، وغیرہ بھی بحر''ہزج'' میں کہی گئی ہیں۔

۳.۲۔ ترانک

ترانک دری زبان میں ترانہ کہلاتا ہے۔ قدیم ترانہ آج کے لوگ گیتوں کی طرح کی صنف ہے۔ دوسری دو اصناف کا امتیاز یہ ہے کہ یہ تین مصرعوں سے تشکیل ہوتی اور قافیہ کی حامل ہے۔ ترانہ کے قدیم ترین نمونے عبر شاعر یزید بن مضرع کے ہاں ملتے ہیں۔ تاریخِ طبری نے بلخ کے لوگوں کا فارسی ترانہ بھی نقل کیا ہے، جو عرب سردار اسد بن مسلم کی شہر ختلان میں شکست کھانے پر ہجو ہے:

از ختلان آمذیہ
برو تباہ آمذیہ
آوار باز آمذیہ

خود آزمائی

۱۔ جدید فارسی زبان پر قدیم فارسی کا کون سا لہجہ زیادہ غالب ہے۔ تفصیل سے بیان کریں۔
۲۔ فارسی کے مختلف لہجوں کا تعارف کرائیں اور کسی ایک لہجے کی نمایاں خصوصیات بیان کریں۔
۳۔ فارسی زبان کی تاریخ پر مفصل نوٹ لکھیں۔

مجوزہ کتب برائے مطالعہ:

۱۔ ادب نامۂ ایران، مرزا مقبول بیگ بدخشانی، یونیورسٹی بک ایجنسی، لاہور۔
۲۔ ایرانی ادب، ڈاکٹر ظہور الدین احمد، اسلام آباد، ۱۹۹۶ء۔
۳۔ تاریخ مختصر ادبیاتِ ایران، جلال الدین ہمائی، تہران ۱۹۹۶ء۔
۴۔ تاریخ ادبیاتِ ایران، ذبیح اللہ صفا، تہران، ۱۹۹۵ء۔
۵۔ فارسی ادب کی مختصر تاریخ، ڈاکٹر محمد صدیق شبلی و ڈاکٹر محمد ریاض، لاہور، ۱۹۹۶ء۔

یونٹ...... ۲۔۳

فارسی ادب کی تاریخ

تحریر: ڈاکٹر محمد اقبال شاہد

فہرست

صفحہ نمبر

تعارف ---------- 27

مقاصد ---------- 27

ا۔ فارسی ادب کی تاریخ ---------- 29

ا.ا۔ پہلا فارسی شاعر ---------- 30

۲.ا۔ طاہری دور ---------- 30

۳.ا۔ صفاری دور میں فارسی ادب کا ارتقا ---------- 30

۴.ا۔ سامانی دور میں فارسی ادب ---------- 32

۵.ا۔ غزنوی دور میں فارسی ادب ---------- 36

۶.ا۔ سلجوقی دور کا ادب ---------- 41

۷.ا۔ تیموری دور میں فارسی ادب ---------- 57

۸.ا۔ صفوی دور میں فارسی ادب ---------- 60

خودآزمائی ---------- 62

مجوزہ کتب ---------- 62

تعارف

عزیز طلبہ وطالبات!

اس یونٹ میں آپ ''فارسی ادب کی تاریخ'' کا مطالعہ کریں گے، جس میں فارسی ادب کے مختلف ادوار، رجحانات اور اسالیب سے سیر حاصل بحث کی گئی ہے اور یونٹ نگار نے مثالوں کے ساتھ اپنا نقطۂ نظر واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ فارسی ادب میں عہد بہ عہد تبدیلی اور ارتقا کی تفہیم علم ودانش میں اضافے اور فارسی ادب سے مکمل آگاہی کے لیے اس یونٹ کا بغور مطالعہ ضروری ہے۔

مقاصد

اس یونٹ کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہوسکیں گے کہ:

۱۔ فارسی ادب کی تاریخ سے آگاہ ہوسکیں۔

۲۔ مختلف ادوار کی شاعری کی خصوصیات سے متعارف ہوسکیں۔

۳۔ فارسی ادب کے عہد بہ عہد نثری شاہپاروں اور ان کے اسالیب سے آشنا ہوسکیں۔

1- فارسی ادب کی تاریخ

فارسی ادب کی تاریخ کے مطالعہ کے لیے ضروری ہے کہ ایران (جو فارسی زبان کا سب سے بڑا مرکز ہے) کی سیاسی تاریخ کا جائزہ لیا جائے۔ اشکانی اور کیانی عہدِ ایران کے اساطیری (افسانوی/ دیومالائی) ادوار ہیں اور ان کا ذکر قصہ کہانیوں (داستانی ادب) خصوصاً: شاہنامہ فردوسی میں ملتا ہے۔ ایران کی سیاسی تاریخ کو درج ذیل ادوار میں منقسم کیا جاتا ہے:

۱۔ ساسانی عہد

۲۔ طاہری دور (۲۰۵۔ ۲۵۹ھ)

۳۔ صفاری دور (۲۵۹۔ ۲۶۱ھ)

۴۔ ساسانی دور (۲۶۱۔ ۳۸۹ھ)

۵۔ غزنوی دور (۳۵۱۔ ۵۸۲ھ)

۶۔ سلجوقی دور

۷۔ ایلخانی، تیموی دور

۸۔ صفوی اور افشاری دور

۹۔ قاجاری دور

۱۰۔ پہلوی دور اور انقلاب

ولادتِ پیغمبرِ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ساسانی بادشاہ نوشیروان عادل کے عہد میں ہوئے اور ساسانی عہد کے بادشاہ خسرو پرویز کے نام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دعوت اسلام کے لیے خط بھیجا، جو طاق بستان کرمانشاہ میں خسرو پرویز کو ملا اور اس نے نامہ مبارک کے ٹکڑے کر دیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی زندگی میں ایران کی فتح کے لیے لشکر تشکیل دیا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ۱۳ھ کو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اسلامی لشکر ایران کی سرحدوں کی طرف روانہ کیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرِ فاروقؓ کے عہد میں ایرانی و اسلامی لشکر کے درمیان کئی جنگیں لڑی گئیں اور اسلامی فوج کا پلہ بھاری رہا۔ بالآخر ۲۱ ہجری نہاوند کے مقام پر ایرانیوں کو مکمل شکست ہوئی اور ایران عربوں کے قبضہ میں آ گیا۔ اس جنگ کو فتح الفتوح کہتے ہیں۔ ایران میں اسلامی حکومت کی وجہ سے عربی زبان کی ترویج ہوئی اور دینی

وسماجی اصطلاحات مقامی زبان میں شامل ہوگئیں اورآسان عربی خط نے پیچیدہ خط پہلوی کی جگہ لے لی۔ادبیاتِ فارسی کی تاریخ کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ دنیا کی بیشتر زبانوں کی طرح فارسی میں بھی شعر پہلے کہا گیااورنثر بعد میں لکھی گئی۔

۱.۱۔ پہلا فارسی شاعر:

آہنگ وموسیقی چونکہ انسانی سرشت میں شامل ہیں، اس لیے شعر، مناجات اوراوراد کی شکل میں یا لوک گیتوں کی صورت میں ہر معاشرے میں رائج رہے ہیں اور ادبی تاریخ لکھنے والوں کے لیے ہر زبان کے پہلے شاعر کا مسئلہ اختلافی رہا ہے۔ساسانی دور کے بادشاہ بہرام پنجم ابوحفص سفد، عباس مروزی عوزی، حنظلہ بادغیسی اور محمد بن وصیف کے نام مختلف محققین کی تاریخوں اورتذکروں میں ابتدائی شاعری کی فہرست میں آتے ہیں، لیکن ساسانی دور کے شاعر رودکی سمرقندی کو صاحبِ دیوان ہونے کی وجہ سے فارسی شاعری کا باوا آدم کہا جاتا ہے۔

۱.۲۔ طاہری دور:

طاہری خاندان کا بانی طاہر ذوالیمین عباسی تھا۔اس نے امین عباسی کو شکست دے کر خراسان کی حکومت سنبھالی۔ اس کا دارالخلافہ نیشاپور تھا، جو فارسی ادب کا پہلا مرکز بنا۔نظامی عروضی سمرقندی مصنف چہار مقالہ کے بقول: طاہری دور کا مشہور شاعر حنظلہ بادغیسی صاحبِ دیوان شاعر تھا۔نظامی عروضی نے اس کے درج ذیل اشعار نقل کیے ہیں:

مہتری گر بکام شیر دراست
شوخطر کن زکام شیر بجوبی
یابزرگی و نازو نعمت و جاہ
یا چو مر دانت مرگ رو یا روی
(مجمع الفصحاء ص۱۹۹)

۱.۳۔ صفاری دور میں فارسی ادب کا ارتقا:

یعقوب بن لیث صفاری اس خاندان کا بانی تھا۔اس کے اجداد ٹھٹیرے تھے۔یعقوب نے معمولی سپاہی سے ترقی کر کے سیتان پر قبضہ کیا اور اس کے بعد اس کا بھائی عمرو بن لیث/عمرولیث بادشاہ بنا۔صفاری عہد میں فارسی زبان اور ادب کو

بہت سازگار ماحول میسر آیا۔ یعقوب بن لیث کو فارسی سے بہت محبت تھی اور وہ عربی نہیں جانتا تھا، اس لیے جو شعرا اس کی شان میں عربی قصائد لکھ لاتے، انھیں کہتا: تم اس زبان میں قصیدے کیوں لکھتے ہو؟ جو میں نہیں جانتا۔

صفاری دور کی شاعری:

محمد وصیف:

صفاری خاندان کا لائق اور ذہین دبیر تھا۔ اس نے ۲۵۱ھ میں یعقوب کی فتح ہرات پر ایک زوردار قصیدہ فارسی میں کہا۔ ۲۶۸ھ میں رافع بن ہرثمہ کے قتل پر ایک قطعہ کہا۔ عمرو بن لیث کی رہائی کے لیے ۲۸۷ھ میں ایک پر درد قطعہ لکھا۔ اس کے قصیدے کے چند اشعار درج ذیل ہیں:

ای امیری کہ امیرانِ جہان خاصہ و عام
بندہ و چاکر و مولای وسگ بند و غلام
آزلی خطی در لوح کہ ملکی بدہید
بت ادبی یوسف یعقوب بن اللیث ہمام

بسام کرد خارجی، فیروز مشرقی اور ابو سلیک گورگانی اس دور کے معروف شعرا میں سے ہیں۔ ان کا نمونۂ کلام بالترتیب درج ذیل ہے:

مکہ حرم کرد عرب را خدای
عہد سرا کرد حرم در عجم
ہر کہ درآمد ہمہ باقی شدند
باز فنا شد کہ ندید این حرم
بہ خط آن لب و دندا نش بنگر
کہ ہموارہ مرا دارند در تاب
یکی ہم چون برن در اوج خورشید
یکی چون شایورد از گرد مہتاب
خون خود را اگر بریزی بر زمین
بہ کہ آب روی ریزی درکنار

۱.۴۔ سامانی دور میں فارسی ادب:

ایران میں سامانی عہدِ حکومت ۲۶۱ ۔ ۳۸۹ھ تک قائم رہا۔ سامانی بلخ کے اشراف میں سے ''سامان خداۃ'' کی اولاد میں سے ہیں، جس کا سلسلۂ نسب ساسانی سردار بہرام چوبین کے ساتھ ملتا ہے۔ اس خاندان کے حکمرانوں میں نصر بن احمد، نوح بن منصور اور منصور بن نوح زیادہ معروف اور علوم وفنون کے مربی تھے۔ ان کے وزرا ابولفضل بلعمی اور ابوعلی بلعمی جیسے علما وفضلا تھے۔ سامانی چونکہ خالص ایرانی نسل تھے، اس لیے فارسی زبان وادب کی ترویج کی بہت کوشش کی۔

سامانی دور کی شاعری:

سامانی دور میں شعرا کی بہت قدر ومنزلت ہوئی۔ اس دور میں فارسی شاعری کی اہم اصناف: قصیدہ، غزل، رباعی اور مثنوی کا آغاز ہوا۔

فارسی قصیدے کی جو ہیئت رودکی سمرقندی نے بنا ڈالی، آج تک اس کی پیروی ہو رہی ہے۔ اسی دور کے شعرا کے ہاں تشبیب کی صورت میں فارسی غزل کے اعلیٰ ابتدائی نمونے بھی نظر آتے ہیں، بقولِ کسائی مروزی: ''رودکی استادِ شاعرانِ جہان بود'' غزنوی دور کے مشہور شاعر عنصری نے رودکی کی غزل کے بارے میں کہا:

غزل رودکی وار نیکو بود

غزل ہای من رودکی وار نیست

مثنوی نگاری میں ابومنصور ودقیقی کے شاہنامے، ابوشکور بلخی کی مثنوی ''آخرین نامہ'' رودکی کی مثنوی میں ''کلیلہ ودمنہ'' وغیرہ کا ذکر ملتا ہے۔ اسی طرح رودکی کے ہاں رباعی اور قطعہ بھی موجود ہے۔ اس دور کی شاعری کی عمدہ خصوصیات یہ ہیں:

۱۔ عربی الفاظ، عربی صرف ونحو اور بلاغت کے اثرات کم ہوئے۔

۲۔ اشعار میں پختگی اور مضامین میں تنوع آ گیا۔

۳۔ قصیدے کے آغاز میں تشبیب کے طور پر عشقیہ مضامین اور اجتماعی موضوعات داخل ہو گئے۔

۴۔ ہجو اور طنز ومزاح کا رواج ہوا۔

۵۔ قرآن اور احادیث کی طرف اشارات در آئے۔

۶۔ اس دور کے اشعار میں مجموعی طور پر سبک خراسانی کے اثرات نظر آتے ہیں۔ آخر میں اس دور کے معروف شعرا کا مختصر تعارف کرایا جاتا ہے۔

رودکی سمرقندی:

ابوعبداللہ جعفر بن محمد رودکی تیسری صدی ہجری کے وسط میں سمرقند کے قریہ ''رودک'' میں پیدا ہوا۔ اپنے قصبے کی نسبت سے اس نے رودکی تخلص اختیار کیا۔ بعض تذکرہ نویسوں نے ''روذ'' (ساز) بجانے کی وجہ سے اسے رودکی لکھا ہے، لیکن یہ غلط ہے، کیونکہ اگر رود (ساز) بجانے سے نسبت ہوتی، تو پھر رودی لکھا جاتا۔ اسی طرح بعض محققین کا خیال ہے کہ رودکی مادر زاد اندھا تھا، لیکن سعید نفیسی نے کلامِ رودکی کے داخلی شواہد سے ثابت کیا ہے کہ وہ مادرزاد اندھا نہیں تھا۔ آٹھ سال کی عمر میں قرآن حفظ کیا۔ موسیقی میں مہارت حاصل تھی اور آواز بھی خوب پائی تھی، اسی وجہ سے نصر بن احمد سامانی کا مقرب اور ندیم ہوا۔ نمونۂ کلام:

بوی جوی مولیان آید ہمی
یادِ یارِ مہربان آید ہمی
میر ماہ است و بخارا آسمان
ماہ سوی آسمان آید ہمی
میر سرو است و بخارا بوستان
سرو سوی بوستان آید آید ہمی
آبِ جیحون از نشاطِ روی دوست
خنگ مارا تا میان آید ہمی

ابوشکور بلخی:

ابوشکور نوح بن نصر کا درباری شاعر تھا۔ فارسی میں سب سے پہلے مثنوی نگار شاعر مانا جاتا ہے۔ عوفی کے بقول: ابوشکور نے ۳۳۳ھ میں مثنوی ''آفرین نامہ'' کہنی شروع کی اور ۳۳۶ھ میں اسے ختم کیا۔ اس کے علاوہ بھی دو مثنویاں کہیں۔ شکور کے کلام میں حکیمانہ رنگ غالب ہے۔ ابوشکور کا زمانہ چوتھی صدی ہجری کا نصف اول ہے۔ نمونہ کلام:

بہ دشمن برت استواری مباد
کہ دشمن درختی است تلخ از نہاد
درختی کہ تلخش بود گوہرا
اگر چرب شیرین دہی مرورا

ہمان میوۂ تلخ آرد پدید
از و چرب و شیرین نخواہد مزید

شہید بلخی:

ابوالحسین شہید بن حسین وراق اپنے عہد کا بلند پایہ فلسفی اور متکلم تھا۔اس نے مشہور عالم ابوبکر محمد بن زکریا رازی کے ساتھ مناظرے کیے، لیکن اس کی شہرت کا سبب صرف اس کی شاعری ہوئی۔اس کی پیدائش اور وفات کے بارے میں تذکرے خاموش ہیں۔رودکی نے اس کا مرثیہ لکھا ہے:

کاروانِ شہید رفت از پیش
و آنِ ما رفتہ گیر وی اندیش
ز شمار دو چشم یک تن کم
در شمار جزو ہزاران پیش

ابوشہید کے نمونے کے چند اشعار درج ذیل ہیں:

شنیدہ ام کہ بہشت آن کسی تواند یافت
کہ آرزو برساند آرزو مندی
ھزار کبک ندارد دلی یک شاہین
ہزار بندہ ندارد دلِ خداوندی

دقیقی:

ابومنصور محمد بن احمد دقیقی۔رودکی کے بعد سامانی دور کا سب سے زیادہ مشہور شاعر ہے۔نوح بن منصور کی فرمائش پر شاہنامہ لکھنا شروع کیا۔ابھی ایک ہزار شعر لکھے تھے کہ ایک غلام کے ہاتھوں قتل ہوگیا۔دقیقی کا نام اُنھی ایک ہزار اشعار کی بدولت زندۂ جاوید ہوگیا۔فردوسی نے اس شاعر کو اپنے شاہنامے میں شامل کرلیا۔بعض محققین کی رائے کے مطابق دقیقی کو آتش پرست کہا جاتا ہے۔اس کی شہادت اس کے کلام میں زردشتی تعلیمات کے اثرات سے پیش کی جاتی ہے۔شاہنامے کے علاوہ اس کے ہاں قطعات بھی ملتے ہیں۔نمونہ شاعری ملاحظہ ہو:

ای ابر بهمنی نه بچشم من اندری
دم زن زمانکی و با آسائی و کم گری
این روز و شب گریستن زار بہر چیست؟
نی چون منی غریب و غم عشق برسری

رابعہ قزداری:

رابعہ بن کعب قزداری حسن و جمال میں یکتا اور علم و فضل میں بے مثال تھی۔ عربی اور فارسی میں شعر کہتی تھی۔ رابعہ کو اپنے غلام یکتاش کے ساتھ عشق ہو گیا اور اس کے بھائی حارث نے غیرت میں آ کر رابعہ کو قتل کر دیا۔ رابعہ کے علاوہ مسعود مروزی، ابوشعیب ہروی، ابواسحاق جوئباری، خبازی نیشا بوری، عمارہ مروزی، کسائی مروزی اور اسدی طوسی سامانی دور کے مشہور شعرا میں سے ہیں۔

سامانی دور کی نثر:

سامانی دور کو فارسی نثر کی اولین کتب کی تصنیف و اشاعت کا شرف حاصل ہے۔ سامانیوں سے پہلے فارسی نثر کے متفرق جملے بعض عربی تصانیف میں ملتے ہیں۔ مقدمہ شاہنامہ (تالیف ۳۴۶ھ) از مسعود مروزی فارسی نثر کا قدیم ترین نمونہ سمجھا جاتا ہے، لیکن ڈاکٹر مہدی بیانی کو حکیم ابوالقاسم سمرقندی کا مسائلِ فقہ پر لکھا ہوا ایک فارسی رسالہ ملا ہے، جس کا سالِ تالیف ۳۲۰ھ ہے، اس لیے سر دست اسے فارسی نثر کا قدیم تیرن نمونہ سمجھنا چاہیے۔

اس عہد کی فارسی نثر کی کتابیں درج ذیل ہیں۔

مقدمہ شاہنامہ:

سامانی دور کے نثر نگاروں نے ایران کی قدیم تاریخ اور روایات کو محفوظ کرنے کے لیے مشہور شاہنامے لکھے۔ اس سلسلے میں سامانی شاعر مسعود مروزی، ابومنصور دقیقی اور ابوالموید بلخی کے نام زیادہ قابلِ ذکر ہیں۔ سامانی وزیر ابومنصور معمری نے ان شاہناموں پر مقدمہ لکھا، جو بعد میں مقدمۂ شاہنامہ کے نام سے معروف ہوا۔ اس مجموعے سے فردوسی طوسی نے بھی اپنے شاہنامے میں استفادہ کیا ہے۔

تاریخِ بلخی:

منصور بن نوح کی فرمائش پر اس کے وزیر ابوعلی محمد بن بلعمی نے ۳۵۳ھ میں ابوجعفر محمد بن جریر طبری کی کتاب ''تاریخ الرسل والملوک'' کا فارسی ترجمہ کیا۔ یہ ترجمہ تاریخِ طبری کے نام سے بھی معروف ہے۔

تفسیرِ طبری:

محمد بن جریر طبری کی تفسیر جامع البیان فی تفسیر القرآن کا فارسی ترجمہ منصور بن نوح کے حکم سے چند فقہا نے مل کر کیا۔

عجائب البلدان:

ابوالموید بلخی کی کتاب عجائب البر والبحر یا عجائب البلدان میں ایران اور بیرونِ ایران دوسرے شہروں کے متعلق مفید اطلاعات فراہم کی گئی ہیں۔

رسالہ شش فصل اور استخراج:

محمد بن ایوب حاسب طبری کی یہ کتاب سادہ اور رواں فارسی نثر کا عمدہ نمونہ ہے۔

الابنیہ عن حقائق الادویہ:

ابومنصور موفق بن علی ہروی کی دواشناسی پر مفید کتاب ہے۔

۱.۵۔ غزنوی دور میں فارسی ادب (۳۵۱۔ ۵۸۴ء):

الپتگین جو سامانی دور کا ایک جرنیل اور خراسان کا حاکم تھا، ۳۵۱ھ میں غزنی آیا اور اپنی حکومت قائم کر لی۔ فوت ہوا تو سبکتگین نے جو اس کا داماد اور غلام تھا، حکومت سنبھالی۔ سبکتگین کی وفات (۳۸۷ھ) پر اس کا بیٹا اسماعیل تخت نشین ہوا۔ اسماعیل کو معزول کر کے محمود نے حکومت سنبھالی اور یہی عہدِ غزنوی کے عروج کا زمانہ ثابت ہوا۔ ایران اور ہندوستان میں کوئی اس کا مقابلہ نہ کر سکا۔ اس کے بعد غزنوی حکومت کا سلسلہ لاہور میں منتقل ہو گیا اور غزنوی حکومت ۵۸۴ھ تک قائم رہی۔

سلطان محمود نہ صرف خود عالم تھا، بلکہ علوم فنون کی سرپرستی کرتا تھا مختلف علاقوں سے علما و فضلا و شعرا کے دربار میں جمع ہو گئے۔ اس کی وجہ سے اسے اغوا کنندۂ علما بھی کہا جاتا ہے۔

غزنوی دور کی شاعری:

محمود غزنوی کے دربار میں شعرا کا مجمع تھا۔ عنصری ملک الشعرا تھا۔ فردوسی، فرخی اور منوچہری جیسے معروف اور نامور شعرا موجود تھے۔ لاہور میں مسعود سعد سلمان اور ابوالفراج رونی جیسے شعرا موجود تھے۔

غزنوی دور میں قصیدہ سرائی کا رواج زیادہ تھا اور نامور قصیدہ نگار منظر عام پر آئے۔ یہی دور ہے جس میں فارسی کی عظیم اور سب سے بڑی رزمیہ مثنوی ''شاہنامہ فردوسی'' تخلیق ہوئی۔ اس دور میں سنائی پیدا ہوا اور تصوف اور عرفان فارسی شاعری میں درآیا اور یہی دور ہے۔ جس میں مسعود سعد سلمان حبسیہ سرائی فارسی شاعری میں اولیت کا درجہ رکھتی ہے۔ مجموعی طور پر اس عہد کی شاعری کی نمایاں خصوصیات درجِ ذیل ہیں:

۱۔ موضوعات میں تنوع اور تازگی آئی اور نرم اور ملایم بحریں استعمال ہوئیں۔

۲۔ سبکِ خراسانی رائج رہا، لیکن لفظی صنائع کے استعمال میں اضافہ ہوا۔

۳۔ قصیدے کی تشبیب میں محبوب کی تعریف، ہجر کا شکوہ، چراگاہوں کا ذکر، قلعوں کا بیان اور جنگ کی منظر کشی کی گئی۔

۴۔ تصوف اور عرفان فارسی شاعری میں درآئے۔

غزنوی دور کے شعرا:

ابوالحسن بن احمد عنصری بلخ کے ایک تاجر خاندان میں پیدا ہوا۔ ایک سفر میں چوروں سے لٹ جانے پر آبائی پیشہ ترک کر کے علم و ادب پر توجہ دی اور سلطان محمود غزنوی کے دربار سے وابستہ ہو گیا۔ بدیہہ گوئی کی بدولت ملک الشعرا اور محمود کا ندیم خاص بنا۔ اس کے قصیدے منظر کشی اور واقعہ نگاری کے اعلیٰ نمونے ہیں:

چہ چیز است رخسار و زلف دلبر
گل مشکبوی و شب و روز پرور
گل اندر شدہ زیر نورستہ سنبل
شب اندر شدہ زیر خورشید انور

فردوسی:

یوں تو دربارِ غزنویہ میں لاتعداد شعراء موجود تھے لیکن جو شہرت و عظمت شاھنامہ کے خالق فردوسی طوسی کے حصے میں

آئی، کسی اور کو نصیب نہیں ہوئی۔ ابوالقاسم منصور بن حسن فردوسی، طوس کے علاقے طابران کے ایک گاؤں باژ میں 329ھ میں پیدا ہوا۔ ایک کسان کا بیٹا تھا۔ حب الوطنی کے سبب شاھنامہ لکھنا شروع کیا اور تیس سال میں ایسا کارنامہ انجام دیا کہ تاریخ قدیم واساطیر ایران کے ساتھ خود بھی لافانی ہو گیا:

بسی زنج بردم در این سال سی

عجم زنده کردم بدین پارسی

دوستوں کے مشورے اور محنت کا معقول صلہ ملنے کی خواہش سے تاکہ آخری ایام راحت سے گزر سکیں، ۳۹۴/ ۳۹۵ھ میں ۶۶ سال کی عمر میں سلطان محمد کے دربار میں غزنی پہنچا اور شاھنامہ کے چند حصے پڑھ کر سنائے۔ کامیابی بھی ہوئی لیکن حاسدوں کی بدگوئی اور اپنی بدنصیبی کی وجہ سے متوقع صلہ نہ ملا اور وطن واپس چلا گیا۔ کئی سال بعد سلطان محمود کو فردوسی کے کلام کی عظمت کا خیال آیا اور ساٹھ ہزار دینار طوس بھجوائے جس وقت سامان سے لدے اونٹ شہر میں داخل ہو رہے تھے شہر کے دوسرے دروازے سے فردوسی کا جنازہ باہر نکل رہا تھا۔

شاہنامہ ساٹھ ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔ اس میں فردوسی نے ایران کے اساطیری، افسانوی، دیومالائی بادشاہ کومیرث سے لے کر ساسانی بادشاہ یزدگرد سوم تک کی سرگزشت لکھی ہے۔ اس کا اہم ترین حصہ بادشاہ کیکاؤس کے بارے میں ہے، رستم اسی عہد میں ہوا۔ یہی داستانیں اور کردار شاہنامہ کی جان ہیں۔ شاہنامہ میں فردوسی نے ملی روایات، مشاہیر اور ان کی داستانوں کو دلکش مگر سادہ عام اسلوب میں بیان کر دیا ہے۔ اس کی ملی غیرت اس سادہ بیان کو بھی ایسا زوردار بنا دیتی ہے کہ کوئی بھی دوسرا فردوسی کے مقابل کھڑا نہیں ہو سکتا:

بروز نبرد آن یله ارجمند — بشمشیر و خنجر به گرز و کمند

برید و درید و شکست بیست — یلان را سر و سینه و پا و دست

اور

اگر جکام من آید جواب — من و گرز و میدان و افراسیاب

فرخی سیستانی:

ابوالحسن علی بن جولوغ فرخی، سیستان کا رہنے والا تھا۔ امیر خلف بانوں کے ہاں ملازم تھا شعر خوب کہتا اور چنگ

بجانے میں مہارت کا حامل تھا۔ شادی کے بعد اخراجات بڑھ گئے تو ابوالمظفر امیر چغانیان کے دربار کا رخ کیا اور اپنے حسب حال اور امیر کی مدح میں قصیدہ کہا جس کے چند اشعار درج ذیل ہیں:

با کاروان حله برختم ز سیستان — یا حلۂ تنیده زدل بافته زجان

با حله یی بریشم ترکیب او سخن — با حله یی نگارگر نقش او زبان

هر تار اور به رنج بر آورده از ضمیر — هر بود اد به جهد جدا کرده از روان

جب فرخی دربار میں پہنچا تو ابوالمظفر ی کے پیش کار (خادم) عمید اسعد، نے قصیدہ سن کر اور فرخی کا دیہاتی پن دیکھ کر یقین نہ کیا اور فرخی کو امتحان کی خاطر داغ گاہ کا قصیدہ لکھنے کی فرمائش کی۔

فرخی نے رات کو داغ گاہ کی تعریف میں قصیدہ لکھا اور صبح عمید اسعد کو سنایا جس کا مطلع اشعار درج ذیل ہیں:

تاپرند نیلگوں پر رچی بیلو شد مرغزار — پرینان هفت رنگ اندر سر آرد کو هار

خاک راچوں ناف آھو مشک زاید بی قیاس — بیدار چون پر طوطی روید بی شبار

دوش وقت ضمینه شب بوی بهار آرف دباد — حبدابا و شمال و خر مابوی بهار

فرخی نے دونوں قصیدے امیر کی خدمت میں پڑھ کر سنائے امیر خوش ہوا، داد دی اور انعام و اکرام سے نوازا۔ کچھ عرصہ بعد فرخی نے سلطان محمود کے دربار کا رخ کیا۔ سلطان نے بہت قدر کی اور سفر وحضر میں اپنے ساتھ رکھا۔ فرخی نے تقریباً ۲۵ ۱اشخاص کی مدح سرائی میں قصیدے کہے ہیں اور اس کے دیوان میں زیادہ تر قصائید ہیں صرف ۴۵ رباعیات اور چند پراگندہ اشعار بھی موجود ہیں۔ سلطان محمود کی وفات پر لکھا ہوا فرخی کا مرثیہ تاثیر کا حامل ہے۔

شهر غزنین نه همان است که من ویدم پار — چه فتاد است که امسال دگر گون شده کار

منوچہری دامغانی:

ابوانجم بن قوص دامغان کا رہنے والا تھا۔ فلک المعانی منوچہر بن قابوس وشمگیر کے دبار سے وابستہ ہونے کی وجہ سے منوچہری تخلص اختیار کیا۔ بعض تذکرہ نویسوں نے اسے محمود کے دربار کا شاعر لکھا ہے لیکن اس کے دیوان میں محمود کی مدح میں ایک بھی قصیدہ موجود نہیں۔ ایرانی محقق دبیر ساقی نے اسے سلطان مسعود کا دربار شاعر ثابت کیا ہے۔ منوچہری کا انتقال ۴۳۳ھ میں ہوا۔ غزنوی دور کے شعر کا سبک شعری (اسلوب شعر) سبکِ خراسانی ہے لیکن منوچہری کے کہے ہوئے شعر،

شعرائے عرب کے پیروی میں ملتے ہیں اس کے اشعار میں عربی الفاظ کی بھر مار ہے اور اس نے عربی شاعری کی مخصوص بحروں میں قصائد لکھے ہیں۔

فارسی شعراء میں منوچہری کی شناخت فطرت اور مناظر فطرت کے میان سے دلچسپی ہے اس کے کلام میں فطرت اپنی تمام تر رعنائیوں اور جلوسامانیوں کے ساتھ جلوہ گر ہے اس وجہ سے اسے مصور فطرت یا شاعر فطرت بھی کہا جاتا ہے۔اسی طرح خوشحالی کی وجہ سے مسرت اور انبساط کا رنگ بھی اس کے ہاں نمایاں ہے۔

آمد شب واز خواب مرارنج و غذاب است	ای دوست بیار آنچہ مرا واردی خواب است
من خواب زیدہ ہ بہ مئی ناب ربایم	آری عدوی خواب جوانان مئی ناب است
سختم عجب آجدلج جگونہ بردش و خواب	آن را کہ بہ کاخ اندر یک شیشۂ است
دین نیز عجیب تر کہ خورد بادۂ بی چنگ	بی نغمہ چنگش بہ مئی ناب شتاب است

مذکورہ بالا شعراء کے علاوہ عبدالعزیز بن منصور عسجدی، لبیب خراسانی، عضائری اور مسعوعی غزنوں اس دور کے قابل ذکر شعراء میں سے ہیں۔

غزنوی دور کی نثر:

شاعری کی طرح غزنوی دور کی نثر بھی خاصی ثروت مند ہے اس عہد میں علماء نے عربی زبان کے ساتھ ساتھ فارسی زبان میں بھی خالص علمی موضوعات پر کتابیں لکھیں۔تاریخ اس دور کا دوسرا اہم موضوع ہے۔اس دور کے علماء اور ان کی تصانیف درج ذیل ہیں۔

ابوریحان البیرونی:

ابوریحان خوارزم میں ۳۶۲ھ میں پیدا ہوا۔علوم عقلی یعنی علم ہیئت،طبیعات،علم جغرافیہ اور ریاضی کے بزرگ علماء میں شمار ہوتا ہے۔ابوریحان نے ۴۴۰ھ میں وفات پائی۔

محمود کے ساتھ ہندوستان آنے کا موقع ملا اور سنسکرت بھی سیکھی عربی زبان میں ''تحقیق ماللھند'' ہندو عقاید پر معتبر کتاب ہے۔التفہیم لاوایل صناعتہ التنجم،علم ہندسہ،ریاضی،نجوم اور ہیئت کے موضوع پر سادہ اور دلکش فارسی میں لکھی گئی ہے۔البیرونی کی تالیفات کی تعداد ایک سوتیرہ (۱۱۳) بتائی جاتی ہے۔

شیخ الرئیس ابو علی سینا:

۳۷۰ھ میں بخارا کے قریب ایک قصبہ میں پیدا ہوئے اور ۴۲۸ھ میں ہمدان میں وفات پائی اور وہیں دفن ہیں بہت سے فارسی رسائل اور کتب آپ سے منسوب ہیں لیکن ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا کے مطابق رسالہ نبض اور دانشنامہ علائی کے سوا باقی کتب کا منسوب نہ کرنا درست ہے۔

دانشنامہ علائی فلسفہ اور منطق کے موضوع پر ہے اور اس میں فلسفہ کی عربی اصطلاحات کو فارسی قالب میں ڈھالا گیا ہے۔

خواجہ ابوالفضل محمد حسن بیہقی :

خواجہ بیہق میں پیدا ہوئے، نیشاپور میں تعلیم پائی اور علاوہ ازیں خوش نویسی میں مہارت اور شہرت حاصل کی ''تاریخ بیہقی'' فارسی کی اہم تاریخ آپ کا کارنامہ ہے اپنے اسلوب اور واقعات کی صحت کی وجہ سے اہمیت کی حامل ہے۔ بیہقی چونکہ خود غزنوی دور کے دبیروں اور منشیوں میں شامل تھا اس لیے اسلوب نثر بھی منشیانہ ہے۔

ابوسعید الحی گردیزی:

ابوسعید گردیزی کا ''زین الاخبار'' تاریخی کتب کے زمرے میں آتا ہے، اس میں سلطان مودود تک کے حالات درج ہیں۔ آفرینش عالم سے لے کر اور نثر میں عربی الفاظ کی کثرت ہے۔

۱.۶۔ سلجوقی دور کا ادب (۴۲۹۔ ۵۵۲ھ)

سلجوقی سلاطین نسلاً ترک تھے۔ سلطان محمود نے اپنی سرحدوں کی حفاظت کے لیے مامور کیا، لیکن انھوں نے غزنوی حکومت کو ہندوستان تک محدود کر کے ایران میں اپنی مضبوط حکومت قائم کی۔ ایران میں سلجوقی حکومت کی مدت سو سال سے زیادہ نہیں بنتی۔ اس عرصے میں فارسی زبان و ادب کو بہت ترقی نصیب ہوئی۔ شاہی درباروں میں شاعروں اور ادیبوں کی سرپرستی کی جاتی تھی۔ اس دور میں شاعری خانقاہوں میں داخل ہوئی اور خوب ترقی کی ساسانی اور غزنوی دور میں فارسی زبان و ادب کے مراکز زیادہ تر خراسان میں تھے۔ سلجوقی دور میں ہمدان، اصفہان اور آذربائیجان میں فارسی ادب کے مراکز قائم ہو گئے۔ اس سے مقامی زبانوں کے الفاظ فارسی دری میں شامل ہو گئے اور اس کی ثروتمندی میں اضافہ ہوا اور مجموعی طور پر فارسی شاعری کا اسلوب بدل گیا اور سبکِ خراسانی کی جگہ عراقی رائج ہوا۔ سلجوقی دور میں غزل اور قصیدے کو برتری حاصل

رہی۔مثنوی گوئی میں نظامی گنجوی اور رباعی کے تین بڑے شعرا عمر خیام، ابوسعید ابوالخیر اور باباطاہر عریاں پیدا ہوگئے اور ہجو و ہزل کا رواج زیادہ ہوا۔

سلجوقی دور کی رباعی گوئی:

سلجوقی دور میں تین بڑے رباعی گو پیدا ہوئے: باباطاہر عریاں، ابوسعید ابوالخیر اور عمر خیام کا مختصر تعارف ضروری ہے۔

باباطاہر عریاں:

باباطاہر ہمدان کے رہنے والے تھے۔ساری زندگی درویشی میں گزاری۔ان کی وفات چوتھی صدی ہجری کے اواخر میں ہوئی۔باباطاہر کی تصانیف میں عربی اقوال کا ایک مجموعہ بھی ملتا ہے،لیکن ان کی اصل شہرت دوبیتیوں کی وجہ سے ہے۔یہ دوبیتیاں مقامی بولی ''لری'' میں کہی گئی ہیں۔جو فارسی زبان سے بھری ہیں۔

مگر شیر و پلنگی ای دل ای دل
بہ مو دایم بجنگی ای دل ای دل
اگر دستم رسد خونت بریزم
بو ینم تاچہ رنگی ای دل ای دل

ابوسعید ابی الخیر:

شیخ ابوسعید فضل اللہ بن ابی الخیر ۳۵۷ھ میں نیشاپور کے قصبے میھنہ میں پیدا ہوئے۔نامور علما و مشائخ سے کسبِ علم کیا اور ساری عمر رشد و ہدایت میں گزاری۔''اسرار التوحید فی مقامات شیخ ابی سعید'' شیخ کے احوال و اقوال کا مجموعہ ان کے نواسے محمد بن منور نے مرتب کیا۔انھوں نے ۴۴۰ھ میں میھنہ میں انتقال کیا۔

فارسی شعرا میں ابوسعید پہلے شاعر ہیں، جنھوں نے رباعی کو صوفیانہ عقائد کے اظہار کا ذریعہ بنایا۔ان کی بیشتر رباعیات تصوف اور عشق الٰہی کے مضامین کی حامل ہیں:

گفتم کہ کرائی تو بین زیبائی
گفتا خود را کہ من خودم یکتائی
ہم عشقم وہم عاشق و ہم معشوق
ہم آئینہ ہم جمال و ہم بینائی

عمر خیام:

ابوالفتح عمر خیام بن ابراہیم نیشا پور میں ۴۰۸ھ یا ۴۱۰ھ میں پیدا ہوئے۔ آبائی پیشہ خیمہ دوزی تھا، جس وجہ سے خیام مشہور ہوئے۔ اپنے وقت کے نامور ریاضی دان، فلسفی اور منجم تھے۔ خیام، حسن بن صباح اور نظام الملک کے ہم درس ہونے کی روایت میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

مختلف موضوعات پر خیام کے پند پر کتابیں لکھی جاتی ہیں، لیکن خیام کی شہرت کا سبب اس کی رباعی گوئی ہے اور اس کی رباعیات کے تراجم دنیا کی تمام زبانوں میں ہو چکے ہیں۔ انگریزی شاعر ''فٹز جیرالڈ'' کا ترجمہ زیادہ معروف ہے۔ مغربی دنیا میں خیام کی مقبولیت کی سب سے بڑی وجہ اس کا فلسفہ نشاط ہے:

می خوردن و شاد بودن آئین من است
فارغ بودن ز کفر و دین دین من است
گفتم بہ عروس دہر کا بینِ تو چیست
گفتا دل خرمِ تو کابین من است

فلسفۂ جبر اور دنیا کی نافہمی بھی خیام کا مقبول فلسفہ ہیں:

ہر چند کہ رنگ و بوی زیباست مرا
چون لالہ رخ چو سرو بالاست مرا
معلوم نشد کہ درطرب خانہ وخاک
نقاشِ ازل بہر چہ آراست مرا
آن قصر کہ جمشید در و جام گرفت
آہو بچہ کرد و رو بہ آرام گرفت
بہرام کہ گور می گرفتی ہمہ عمر
دیدی کہ چگونہ گور بہرام گرفت

سلجوقی دور کی قصیدہ نگاری:

سلجوقی دور کے قصیدہ گو شعرا میں انوری، خاقانی، ظہیر فاریابی اور امیر معزی کے نام زیادہ اہم ہیں۔ ان شعرا نے

سبکِ عراقی کی بنیاد رکھی۔ اسی دور کے ناصر خسرو، رشید الدین وطواط، مختاری غزنوی، صارب ترمذی، اسدی طوسی اور عمعق نجارائی ایسے شعرا ہیں، جوغزنوی دور کے شعرا کی پیروی میں سبکِ خراسانی میں شعر کہتے رہے۔

انوری:

اوحد الدین محمد بن انوری ابیورد کے ایک گاؤں بدنہ میں پیدا ہوا۔ جوانی کا زمانہ طوس میں گزرا۔ منطق، فلسفہ، ہیئت، موسیقی اور نجوم میں شہرت حاصل کی۔ درباری شعرا کی شان وشوکت دیکھ کر اتنا متاثر ہوا کہ ایک رات میں قصیدہ لکھ کر سلطان سنجر کے حضور پیش کیا۔ اس پر سلطان نے اسے انعام واکرام دے کر اپنے دربار میں شامل کرلیا۔

انوری کا شمار ایران کے درجۂ اول کے قصیدہ نگاروں میں ہوتا ہے۔ اسی لیے اہلِ ایران اس کا نام فردوسی اور سعدی کے ساتھ لیتے ہیں۔

در شعر سہ پیغمبر اند
ہر چند لانبی بعدی
ابیات و قصیدہ و غزل را
فردوسی و انوری و سعدی

انوری سے پہلے عنصری اور فرخی ایسے نامور قصیدہ نگار گزرے ہیں، جن کے ہاں فصاحت اور بلاغت کے عمدہ نمونے موجود ہیں۔ انوری کے زمانے میں مضامین کے لحاظ سے قصیدے میں وسعت پیدا ہوئی اور قصیدہ محض مدح سرائی تک محدود نہ رہا بلکہ وہ علمی مسائل اور دینی واخلاقی تعلیمات کا وسیلہ بن گیا۔ انوری کے مضامین میں قناعت کی تلقین، طمع کی ذلت اور دنیا کی بے ثباتی کے مضامین بھی پائے جاتے ہیں۔

فنی اعتبار سے قصیدے میں ابوالفرج رونی کی پیروی کی ہے۔ فصاحت و بلاغت، مبالغہ اور احساسات و جذبات انوری کے قصیدے کی اہم خصوصیات ہیں۔

خاقانی شروانی:

افضل الدین بدیل ۵۲۰ھ میں آذربائیجان کے شہر شروان میں پیدا ہوا۔ باپ علی نجار، دادا جولاہا اور ماں نسطوری عیسائی تھی۔ والدین چونکہ بچپن میں وفات پا گئے، اس لیے چچا کے ہاں پرورش ہوئی اور چچا ہی کی رہنمائی میں عربی، طب اور الٰہیات کا مطالعہ کیا۔ ابوالعلاء گنجہ ای سے شعروسخن میں تربیت حاصل کی اور انھی کی بیٹی سے شادی ہوئی۔

مثنوی تحفۃ العراقین، مثنوی ختم الغرائب، منشآتِ خاقانی اور دیوان معروف تالیفات ہیں۔ خاقانی قصیدہ سرا کی حیثیت سے زیادہ نامور ہے، کیونکہ مدحیہ مضامین کے علاوہ دوسرے موضوعات پر اظہارِ خیال کرنے کی گنجائش کم ہوتی ہے۔ شروع میں شروانشاہ کے دربار میں داخل ہوا اور علم و فضل کی وجہ سے معتمد خاص بنا۔

قصیدے میں خاقانی کا کمال یہ ہے کہ وہ حکمتِ عمیق کو خوبصورت اور دلکش انداز میں اشعار میں سمو دیتا ہے۔ اپنی ماں کی وجہ سے مسیحی روایات کے بیان میں اسے انفرادیت حاصل ہے۔ علمی اصطلاحات واپسی پر مدائن کے ایوان کی تباہی پر قصیدہ کہا، جو ''ایوانِ مدائن'' کے نام سے معروف ہے۔

ہان ای دلِ عبرت بین از دیدہ عبَر کن ہان

ایوانِ مدائن را آئینہ عبرت دان

خاقانی نے غزل سرائی بھی کی، لیکن غزل میں آ کر خاقانی شاید اپنا انداز بھول گیا۔ نہ نادر تشبیہات اور استعارات اور نہ ہی علمی و فنی اصطلاحات اور پر مستزاد مشکل مضامین:

دیدی کہ یار چون ز دل ہا خبر نداشت

مارا شکار کرد و بیفکند و بر نداشت

قصیدے کا نمونہ ملاحظہ ہو:

بر آرد ز جیب فلک ست موسیٰ

زر سامری نقد میزان نماید

نہ خورشید ہمخانۂ عیسیٰ آمد

چہ معنی کہ معلول و حیران نماید

امیر معزی:

ابوعبداللہ محمد بن عبدالملک معزی نیشاپوری سلطان سنجر کا درباری شاعر تھا۔ اس کا والد ارسلان اور ملک شاہ کے دربار سے وابستہ تھا۔ امیر معزی نے باپ کی جانشینی کے بعد اپنی بدیہہ گوئی کی وجہ سے ملک شاہ کو اپنی طرف متوجہ کر لیا اور ملک شاہ نے اپنے لقب معزالدولہ کی مناسبت سے اسے امیر معزی کہا اور وہ اسی لقب سے مشہور ہو گیا۔ سلطان سنجر کے عہد میں اس کی قدر و منزلت میں اضافہ ہوا اور ملک الشعرا بنا۔ امیر معزی کو سلطان سنجر کے دربار میں وہی مقام حاصل تھا، جو رودکی کا سامانی دربار میں تھا۔ معزی قصیدہ نگاری میں عنصری، فرخی اور منوچہری کا مقلد تھا اور اس کے قصائد میں ان شعرا کے الفاظ اور تراکیب

عام ملتے ہیں۔اس کے قصائد اپنے عہد کے تاریخی حالات اور واقعات پر روشنی ڈالتے ہیں۔

ای ساربان منزل مکن جز در دیار یار من

تا یک زمان زاری کنم بر ربع واطلال و دمن

ربع از دلم پر خون کنم خاک و دمن گلگون کنم

اطلال را جیحون کنم از آب چشم خویشتن

ناصر خسرو:

حکیم ناصر خسرو سلجوقی دور کا ایک صاحبِ طرز شاعر تھا۔ بلخ کے قریب قبادیان میں ۳۹۴ھ میں پیدا ہوا۔ معزز اور خوشحال گھرانے سے تعلق تھا اور بچپن سے حصولِ علم کا شوق تھا۔ قرآنِ مجید حفظ کیا، حدیث، فقہ، طب، نجوم اور ریاضی میں مہارت حاصل کی۔ اسماعیلی عقائد سے متاثر ہوا اور اس کا مبلغ بن گیا۔

ناصر خسرو کے قصائد کا موضوع مدح کے برعکس پند وحکمت، عقل و دانش اور بے آزاری اور مذمت ہے۔ اسماعیلی ہونے کے ناطے اس نے شاعری کو وسیلۂ تبلیغ بنایا اور اسماعیلی افکار کو منطقی استدلال کے ساتھ شاعرانہ انداز میں پیدا کیا۔ حکیمانہ مطالب اور مخصوص اسلوبِ بیان نے اس کی شاعری کو انفرادیت بخش دی۔ دیوان کے علاوہ سفر نامہ زادالمسافرین، مثنوی روشنائی نامہ اور سعادت نامۂ ناصر خسرو کی یادگار ہیں۔

سلجوقی دور کی منثوی نگاری:

سلجوقی دور میں منثوی نگاری کا رواج بھی زیادہ ہوا۔ خاقانی کی مثنوی تحفۃ العراقین اور ختم الغرائب، ناصر خسرو کی مثنویاں روشنائی نامہ اور سعادت نامہ، سنائی کی حدیقۃ الحقیقت اور عطار کی منطق الطیر اس دور کی معروف مثنویاں ہیں، لیکن مثنوی نگاری میں جو مقام ومرتبہ نظامی گنجوی کو حاصل ہوا وہ کسی شاعر کو نہ ملا۔

نظامی گنجوی:

حکیم ابومحمد الیاس بن یوسف بن زکی ابن مؤید نظامی روسی آذربائیجان کے گنجہ کے نواحی علاقے اران میں 530 اور ۵۴۰ھ کے درمیان پیدا ہوئے۔ والدین بچپن میں فوت ہوگئے۔ تعلیم وتربیت ماموں نے کی۔ شعروشاعری سے فطری لگاؤ تھا۔ نظامی کی زندگی میں اُن کی مثنویوں کی شہرت دور دور تک پہنچ گئی تھی۔ ۵۹۸ھ میں گنجہ میں ہی اُن کا انتقال ہوا اور وہیں دفن ہیں۔

نظامی نے غزلیں اور قصائد بھی کہے ہیں، لیکن اُن کی شہرت اُن کی پانچ مثنویوں کی بدولت جو خمسہ نظامی یا پنج گنجِ نظامی کے نام سے مشہور ہیں۔ نظامی کے بعد میں آنے والے اکثر شعرا نے ان کا جواب لکھنے کی کوشش کی۔ ان میں امیر خسرو دہلوی، جامی اور فیضی کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ نظامی کی مثنویاں حسبِ ذیل ہیں۔

1- مخزنِ اسرار:

یہ نظامی کی پہلی مثنوی ہے۔ اس کا موضوع پند و نصیحت ہے۔ یہ مثنوی ۵۵۲ھ میں مکمل ہوئی۔ فخر الدین شاہ کے نام سے منسوب ہوئی۔ ۲۴۰۰۰ اشعار پر مشتمل ہے۔

2- خسرو و شیریں:

۷۰۰۰ اشعار پر مشتمل عشقیہ مثنوی قزل ارسلان کے نام سے لکھی گئی۔ اصل قصہ خسرو پرویز اور شیریں کی والہانہ محبت ہے۔ کوہ ارمنستان میں خسرو اور شیریں ایک دوسرے کی تصویریں دیکھ کر عاشق ہو گئے۔ خسرو نے اپنے ندیم شاپور نقاش کے ذریعے پیغام بھیجا اور شیریں محل میں آ گئی۔ ضمناً فرہاد اور شیریں کی داستان عشق بھی مثنوی کا حصہ ہے۔ فرہاد معمار اور مہندس تھا۔ اس نے چراگاہ سے قصرِ شیریں تک دودھ کی نہر بنانے کا ذمہ لیا اور شیریں کی جھوٹی خبرِ مرگ پر خودکشی کر لی۔

خسرو و شیریں مجالسِ عشق و نشاط اور راز ہائے خلوت و عشق کے عمدہ بیان کی مثال ہے۔

لیلیٰ و مجنوں:

یہ بھی عشقیہ مثنوی ہے اور قیس بن ملوح بن مزاحم یعنی مجنوں اور لیلیٰ دختر سعد بن محمد کی داستانِ عشق و محبت کا مفصل بیان ہے۔ ۵۱۰۰ اشعار پر مشتمل ہے اور خاقان ابوالمظفر اخستان بن منوچہر کے نام سے منسوب ہے۔ یہ مثنوی ۵۸۴ھ میں مکمل ہوئی۔

ہفت پیکر، مثنوی ہفت گنبد اور بہرام نامہ کے ناموں سے بھی پہچانی جاتی ہے۔ یہ مثنوی سامانی بادشاہ بہرام گور کے حالاتِ زندگی پر مشتمل ہے۔ ۵۹۴ھ میں کہی گئی مثنوی علاء الدین الپ ارسلان کے نام سے منسوب ہے۔

اسکندر نامہ:

یہ دو حصوں پر مشتمل ہے: پہلے حصے کا نام "شرف نامہ" ہے، جو سکندر مقدونی کی ولادت سے فتحِ ممالک اور وطن

واپسی پر مشتمل ہے۔ دوسرا حصہ ''اقبال نامہ'' میں سکندر کو ذوالقرنین کے مثل قرار دے کر چین تک پہنچے۔ دیوارِ چین بنانے اور بحرِ ظلمات میں آبِ حیات حاصل کرنے کے واقعات ہیں۔

حکیم سنائی:

حکیم ابوالمجد مجدد د بن آدم سنائی پانچویں صدی ہجری میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے اپنے بعض اشعار میں اپنا نام حسن بھی استعمال کیا ہے۔ حسن شاعری میں مہارت حاصل کرنے کے بعد غزنوی دربار سے وابستہ رہے۔ سلجوقی دور میں سلطان سنجر کی مدح سرائی کی اور خراسان کے بعض امرا و وزرا کے قصیدے بھی کہے۔ پھر ان کی زندگی میں ایسا وقت آیا کہ انھوں نے مدح سرائی ترک کی اور درویشی اختیار کی۔ شاعری میں مدح سرائی کی جگہ پند و نصیحت آ گئی۔ مولانا روم کہتے ہیں:

عطار روح بود و سنائی دو چشمِ او

ما از پی سنائی و عطار آمدیم

سنائی نے قصیدہ، غزل، ترکیب بند، ترجیع بند اور رباعیات میں طبع آزمائی کی، لیکن ان کی شہرت کا میدان تصوف اور خصوصاً ان کی درج ذیل مثنویاں بنی ہیں۔

۱۔ حدیقۃ الحقیقۃ
۲۔ طریق التحقیق
۳۔ سیر العباد الی المعاد
۴۔ مثنوی کارنامۂ بلخ یا مطایبہ نامہ
۵۔ عقلنامہ
۶۔ مثنوی عشق نامہ
۷۔ سنائی آباد اور تجربۃ العلم یا تحریمۃ القلم

سنائی فارسی شاعری میں پہلے شخص ہیں، جنھوں نے غزل کو قصیدے سے الگ کیا اور علیحدہ صنفِ سخن کی حیثیت سے اپنایا۔

شیخ فریدالدین عطار:

شیخ فریدالدین عطار چھٹی صدی ہجری کے وسط میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد ابوبکر ابراہیم عطار (دوافروش) تھے۔ عطار نے بھی وہی پیشہ اختیار کیا۔ جوانی کا زمانہ تحصیلِ علم اور سیر و سیاحت میں گزارا اور زمانے کے معروف صوفیوں سے ملاقاتیں کیں۔

عطار دوا فروشی کرتے تھے اور زندگی بڑی فراغت اور آسودگی سے گزر رہی تھی۔ اسی زمانے میں ان کی حالت میں

انقلاب آیا اور سب کچھ چھوڑ کر درویشوں کے حلقے میں شامل ہو گئے۔ شیخ کی اس تبدیلی حالت کے بارے میں یہ داستان نقل کی جاتی ہے۔ ایک دن شیخ عطار اپنی دکان میں مشغولِ کار تھے کہ ایک فقیر آیا اور کئی مرتبہ سوال کیا۔ شیخ متوجہ ہوئے، تو فقیر سے کہا: اے خواجہ! تو کس طرح مرے گا؟ عطار نے کہا: جس طرح تو مرے گا۔ فقیر نے کہا: تو میری طرح مر سکتا ہے؟ عطار نے کہا ہاں! فقیر نے اپنا کشکول سر کے نیچے رکھا اور اللہ کہہ کر وہیں جان دے دی۔ اس واقعہ کے بعد عطار کی زندگی یکسر بدل گئی۔

عطار کا شمار فارسی کے عظیم شعرا میں ہوتا ہے۔ ان کی تصانیف کی تعداد چودہ بتائی جاتی ہے، جن میں سے تذکرۃ الاولیا، قصائدِ اسرار نامہ، جوہر نامہ اور منطق الطیر کو زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔ تذکرۃ الاولیا: اولیا اور صوفیوں کے حالات زندگی پر مشتمل ہے۔ منطق الطیر ۴۶۰۰ اشعار اور ۴۵ مقالوں پر مشتمل ایک مثنوی ہے۔ صوفیانہ مطالب کے بیان میں عطار حکایتوں اور تمثیلوں سے کام لیتے ہیں۔ عطار کے اس انداز کو جلال الدین رومی نے کمال تک پہنچا دیا۔ اسدی طوسی، قطران تبریزی، رشید الدین وطواط، ادیب صابر ترمذی، مجیر بیلقانی، فلکی شیروانی، کمال الدین اصفہانی اور شرف الدین اصفہانی اس دور کے دیگر معروف شعرا میں سے ہیں۔

سلجوقی دور کی نثر:

یہ دور فارسی نثر کی ترقی کا اہم ترین دور ہے۔ موضوع کے اعتبار سے اس دور کی نثر میں تنوع نظر آتا ہے۔ اس عہد میں جہاں خالص ادب تخلیق ہوا، وہاں تاریخ و تذکرہ نگاری، مذہب، تصوف اور علوم وفنون پر متعدد کتب لکھی گئیں۔ اس زمانے کی فارسی نثر میں ارتقا دیکھا جا سکتا ہے۔ سادہ اور رواں نثر آہستہ آہستہ پر تکلف ہوئی اور صنائع بدائع، اقوال وامثال اور اشعار کا استعمال شروع ہو گیا۔ اس دور کی نثری تخلیقات کا مختصر تعارف درجِ ذیل ہے۔

ا۔ ادبی کتب:

(i) سفرنامۂ ناصر خسرو:

مشہور اسماعیلی عالم ناصر خسرو کا سفرنامہ اس کی سات سالہ سیاحت کی روئیداد ہے۔ ناصر خسرو نے اس دوران میں حجازِ مقدس، ایران، ایشیائے کوچک، شام فلسطین اور مصر کی سیر کی اور اس سفر میں اپنے عہد کے مشہور علما وشعرا سے ملاقات کی۔ سفرنامہ مختلف مقامات کے جغرافیائی اور معاشرتی حالات کا خوبصورت مرقع ہے۔ زبان سادہ اور رواں ہے۔ یہ سفرنامہ پہلی مرتبہ ۱۲۹۸ھ میں پیرس میں شائع ہوا۔ ۱۲۹۹ھ میں مولانا حالی نے اسے دوبارہ شائع

کیا۔زادالمسافرین، وجہ دین اور جامع الحکمتین ناصر خسرو کی دیگر کتب ہیں۔

(ii) قابوس نامہ:

یہ امیر عنصر المعالی کیکاؤس بن سکندر بن قابوس نے اپنے بیٹے گیلان شاہ کی رہنمائی کے لیے ۴۷۵ھ میں لکھی۔اس کا نام نصیحت نامہ تھا۔ بعد میں قابوس نامہ کے نام سے مشہور ہوئی۔اس کے چالیس ابواب اور ایک دیباچہ ہے۔ پچاس کے قریب حکایات موجود ہیں، جو بیشتر مصنف کے ذاتی تجربات معلوم ہوتے ہیں۔

(iii) سیاست نامہ:

سیاست نامہ یا سیر الملوک، نظام الملک طوسی کی کتاب ہے۔یہ سلجوقی عہد کے وزیر اعظم تھے اور ۴۸۵ھ میں حسن بن صباح کے ایک فدائی کے ہاتھوں قتل ہوئے۔سیاست نامہ ملک شاہ کی فرمائش پر لکھی گئی۔پچاس ابواب پر مشتمل بادشاہوں کے احوال اور آئین طرزِ حکومت اور سیاسی رہنمائی پر مشتمل ہے۔نثر سادہ اور رواں ہے۔

(iv) فارسی نامہ:

یہ کتاب ۵۱۱ھ میں تصنیف ہوئی۔اس میں قبل از اسلام بادشاہوں کا تعارف اور ایران کی سرزمین کا جغرافیہ بیان کیا گیا ہے۔اس کا مصنف ابن بلخی سلطان محمد بن ملک شاہ کے زمانے میں فارس کا دیوان تھا۔

(v) مجمل التواریخ والقصص:

ایران کے قدیم تاریخ اور داستانوں کے بارے میں بہت اہم کتاب ہے۔ ۲۵ ابواب پر مشتمل ہے۔اس کے مصنف کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔صرف اتنا معلوم ہوا کہ وہ ہمدان کا رہنے والا تھا اور اس کے دادا کا نام مہلب بن محمد بن شادی تھا۔

(vi) تاریخِ بخارا یا مزاراتِ بخارا:

محمد بن جعفر کنیت ابوجعفر نرشخی نے ۳۴۸ھ میں عربی میں اس موضوع پر ایک کتاب لکھی۔ ۵۵۲ھ میں ابونصر احمد بن نصر القبادی نے اسے فارسی میں منتقل کیا۔اس کو محض ترجمہ نہیں کہا جا سکتا ہے کیوں کہ اس میں حذف کا اضافہ ہوا ہے۔اب یہ تاریخ بخارا کے نام سے معروف ہے۔

(vii) تاریخ بیہقی:

ابوالحسن علی بن ابوالقاسم بیہقی کی تصنیف ہے۔ ۵۹۵ھ میں لکھی گئی۔ ایران کے علاقہ بیہق کی تاریخ جغرافیہ اور ممتاز شخصیات کے احوال پر مشتمل ہے۔ نثر سادہ اور پختہ ہے۔ عربی الفاظ کا استعمال بھی زیادہ ہے۔

(viii) راحت الصدور:

نجم الدین ابوبکر محمد بن علی راوندی کی تصنیف ہے۔ اس میں سلجوقی خاندان کے آغاز سے لے کر سلطان طغرل بن ارسلان کی تاریخ بیان ہوئی ہے۔ اس کتاب کے بعد چھپنے والی تاریخی کتاب میں اس کتب سے استفادہ کیا گیا ہے۔ سادہ اور پر تکلف نثر کا حسین امتزاج ہے۔ اس کے علاوہ ترجمہ تاریخ یمنی از ابونصر بن عبدالجبار اور تاریخ طبرستان از لباء الدین محمد بن حسن بن اسفندیار سلجوقی دور کی معرف تاریخی کتب ہیں۔

۳۔ مذہب اور فلسفہ پر کتب:

سلجوقی دور کی فارسی زبان میں قرآنِ پاک کی درج ذیل تفسیریں بہت اہم ہیں:

(i) تفسیر اورآبادی از ابوبکر عتیق بن محمد

(ii) تاریخ التراجم از عماد الدین ابومظفر شاہ پوری شایعی

(iii) روضات الجنان از ابوالفتوح رازی

حکیم ناصر خسرو کی کتاب ''بیان الادیان'' قدیم مذہب اور فرقوں پر اہم تصنیف ہے۔ ترجمہ رسالہ قشریہ (۴۶۵ھ) انوابوالقاسم عبدالکریم قشیری، طبقات صوفیہ از ابوعبدالرحمٰن بن حسین السمی (۴۱۲ھ) اسرار التوحید فی مقامات الشیخ ابی سعید از محمد بن منور اور تذکرۃ الاولیاء عطار نیشاپوری تصوف کے موضوع پر نہایت ہی معروف اور اہم کتابیں ہیں۔ کیمیائے سعادت از امام ابوحامد بن محمد غزالی ارکان عبادات اور معاملات پر لیاقت خوبصورت کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔

۴۔ علوم وفنون اور متفرق موضوعات پر کتب:

(i) روضۃ المنجمین اور نزھت نامہ علائی شیھمر دان بن ابی الخیر کی تصانیف میں نثر کا انداز قدیم اور دشوار ہے۔

(ii) نوروز نامہ، عمر خیام کی جشن نوروز اور قدیم ایرانی تمدن پر سادہ نثر ہے۔

(iii) طب کے موضوع پر ''خوارزم شاہی'' سید اسماعیل جرجانی کی تصنیف۔

(iv) لغت فرس، ابومنصور علی ابن احد اسدی طوسی کی تصنیف ہے۔ ہر لفظ کے معانی کے علاوہ شعری مثالیں بھی دی گئی ہیں۔

(v) ترجمان البلاغہ، علم معانی بیان محمد بن عمر الرادویانی کی کتاب ہے۔

اس کے علاوہ امام محمد غزالی کے بھائی احمد غزالی کی کتب بھی اہمیت کی حامل ہیں۔

ایلخانی دور میں فارسی ادب:

ایلخانی دورحکومت ۶۲۸ھ سے ۷۷۱ھ تک قائم رہا۔ ۶۱۲ھ میں ایران پر چنگیز خان کے حملے شروع ہوئے، یورش تاتار کا یہ سلسلہ ۶۵۶ھ تک رہا جب سلطنت عباسی کا خاتمہ اور بغداد پر قبضہ ہو گیا۔ قتل وغارت سے علم وادب بھی متاثر ہوا لیکن بلا آخر بقول اقبال:

ہے عیاں یورشِ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

یہ دور طوائف الملو کی کا دور ہے۔ اس دور میں ایران میں کئی خود مختار حکومتیں قائم رہیں اور ان کے درباروں سے اہل علم وفضل وابستہ رہے۔

ایلخانی دور کی شاعری:

مغول فارسی زبان وشعر سے ناآشنا تھے۔ اس لیے قصیدہ گوئی کا رواج کم ہوا اور غزل کو فروغ حاصل ہوا۔ غزل میں تصوف وعرفان کی آمیزش سے جذب و کیف اور شور و مستی پیدا ہوئی اور جلال الدین رومی اور فخر الدین عراقی جیسے شاعر پیدا ہوئے۔ سعدی شیرازی نے عشقیہ واردات اور داخلی کیفیات کو غزل بنا دیا۔ مثنوی جو گزشتہ دور (سلجوقی) میں بہت رواج پا گئی مولانا روم کے ہاتھوں بام عروج تک پہنچ گئی۔ ایلخانی دور کے شعراء درج ذیل ہیں۔

مولانا جلال الدین رومی:

جلال الدین رومی ۶۰۴ھ میں بلخ میں پیدا ہوئے۔ بچپن میں اپنے والد بہاء الدین محمد کے ساتھ ہجرت کر کے نیشاپور آئے۔ وہاں سے بغداد اور دمشق گئے اور واپسی قونیہ میں قیام پذیر ہوئے۔ قونیہ موجودہ ترکی کا شہر ہے جو پہلے سلطنت روم کا حصہ تھا۔ اس وجہ سے آپ کو رومی کہا جاتا ہے۔ قونیہ میں آپ درس وتدریس اور وعظ ورشد وہدایت میں مصرف ہوئے۔ شمس تبریزی جو عارف اور مجذوب تھے کی شخصیت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ درس وتدریس چھوڑ کر درویشی اور مرشد کے عشق میں

مستغرق ہوگئے۔ آپ نے قونیہ میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔ دیوانِ شمس تبریزی، مثنوی معنوی، فیہ مافیہ (نثر) اور مکتوبات وخطبات (نثر) آپ کی تخلیقات ہیں۔

دیوانِ شمس میں غزلیات، قصائد، ترجیع بند اور رباعیات ہیں۔ دیوان میں اکثر غزلیں ایسی ہیں، جو شمس تبریزی کی شخصیت کے زیر اثر ہیں۔ شمس رومی کے مرشد ہیں، محبوب، ساقی ہیں۔ وہ والہانہ طور پر ان کی بلائیں لینا چاہتے ہیں اور ایک لمحہ ان سے فراق نہیں چاہتے۔ ان کے دیوان کی اکثر غزلیات شور مستی اور جذب وکیف کی حامل ہیں:

بنمایی رخ کہ باغ و گلستانم آرز و وست
بگشایی لب کہ قند فراوانم آرزو وست
ای آفتاب حن بیرن آدمی ز ابر
کان چہرۂ مشعشع و تابا نم آرزوست
دی شیخ با چراغ ہمی گشت گرد شہر
کز دام و ود ملولم و انسانم آرزو وست
زین ھمراہان سُست عناصر ودلم گرفت
شیر خدا و رستم دستانم آرزوست

مثنوی معنوی دس سالوں میں (۶۶۲ ۔ ۶۷۲ھ) مکمل ہوئی۔ اس کے چھ دفتر میں مثنوی معنوی گنجینہ معرفت اور خزانۂ عرفان وتصوف ہے۔ اس میں قرآن، حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور اقوام عرفا ومشائخ سے استفادہ کیا گیا ہے۔ علم وحکمت اور فقہ وکلام کے بے شمار موضوعات زیر بحث آئے ہیں۔ یہ کتاب زندگی کے لیے ہدایت نامہ اور آئین کا درجہ رکھتی ہے۔

مولانا نے مثنوی میں اکثر حکایات وتمثیلات سے کام لیا ہے۔ وہ کہانی اور تمثیل سے خوبصورت نتائج اخذ کرتے ہیں۔ مثنوی میں رومی نے ''نے'' (بانسری) کو روح انسانی سے تشبیہ دی ہے جو اپنے نیستان (سرکنڈے کا کھیت) سے دور ہوگئی ہے اور دوبارہ وصل چاہتی ہے۔ اس وجہ سے ''مثنوی کو نے نامہ'' بھی کہتے ہیں نمونہ اشعار ملاحظہ ہو:

بشنو از نی چون حکایت می کند
وز جدائیہا شکایت می کند
ھر کسی ازظن خود شدر یار من

وز د ون من نجست اسرار من

سِرّ من از نالۂ من دور نیست

لیکن چشم و گوش را آن نور نیست

رومی کی نثری تخلیقات کا تعارف حصہ نثر میں آئے گا۔

سعدی شیرازی:

اکثر تذکروں اور تاریخوں میں شیخ سعدی کا نام مشرف الدین مصلح یا مشرف الدین بن مصلح لکھا جاتا ہے اور تاریخ پیدائش ۶۰۴ھ اور ۶۰۵ھ لکھی جاتی ہے۔ شیراز میں پیدا ہوئے۔ سعد بن عبادہ کی اولاد میں ہونے کی وجہ سے سعدی کہلاتے ہیں، مگر عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ حکام شیراز اتابک ابوبکر بن سعد زنگی کی نسبت سے تخلص اختیار کیا۔ بچپن شیراز میں گزارا۔ جوانی میں بغداد کے مدرسۂ نظامیہ میں تعلیم پائی۔ عراق، عرب، شام، حجاز اور کئی دوسرے مقامات کی سیرت کی اور علم و حکمت کے خزانے جمع کیے۔ شیراز میں باقی زندگی گزاری اور ۶۹۰ھ تا ۶۹۵ھ کے درمیانی سالوں میں شیراز میں وفات پائی اور وہیں دفن ہیں۔ ان کی مزار کی جگہ کو سعدیہ کہتے ہیں۔

نظم میں دیوان کے علاوہ بوستان معروف ہے اور نثر میں باقی رسالوں کے علاوہ گلستان کا شہرہ ہے۔ دیوان میں غزلیات، قصائد اور قطعات موجود ہیں۔ فارسی شاعری میں سعدی شیرازی کو ''امامِ غزل'' کہا جاتا ہے۔ سعدی غزل میں عشقیہ مضامین، کیفیات اور واردات ساتھ لائے، جو ان سے پہلے موجود نہ تھیں۔ حافظ شیرازی نے انھیں استاد (غزل) کہا ہے:

استادِ غزل سعدی است پیش ہمہ کس اما

دارد سکن حافظ طرز و روش خواجو

غزل کا ایک شعر بطور نمونہ ملاحظہ ہو:

دیدہ سعدی و دل ہمراہ تست

تا نپنداری کہ تنہا می روی

قصیدے میں سعدی نے پند و نصیحت اور اخلاقیات بیان کی ہیں۔ بوستانِ سعدی کی فنی اعتبار سے بہت ہی محکم کتاب ہے، جو مثنوی کی ہیئت میں مختلف حکایات پر مشتمل ہے، جس کا موضوع اخلاق ہے۔ گلستانِ بھی بنیادی طور پر اخلاق اور تربیتِ شخصیت کے مضامین پر مشتمل نثر کی کتاب ہے۔ اسی وجہ سے سعدی کو معلمِ اخلاق کہا جاتا ہے۔ بوستان کا نمونہ ملاحظہ ہو:

چوں خواہی کہ نامت بود جاودان
مکن نام نیک بزرگان نہان
ہمیں نقش بر خوان پس از عہدِ خویش
کہ دیدی پس از عہد شاہانِ پیش
ہمین کام و ناز و طرب دا شتند
بہ آخر برفتند و بگذاشتند
یکی نام نیکو ببر و از جہان
کلی رسم بد ماند از و جاودان

فخرالدین عراقی:

شیخ فخرالدین ابراہیم عراقی ہمدان کے ایک نواحی گاؤں کمجان میں پیدا ہوئے۔ بڑے ذہین اور طباع تھے۔ تیرہ سال کی عمر میں ملتان آئے اور حضرت شیخ بہاءالدین زکریاؒ ملتانی کے حلقہ ارادات میں داخل ہوئے۔ ان کے فیضانِ نظر سے عراقی کا عشقِ مجازی، عشقِ حقیقی میں بدل گیا۔ خواجہ زکریاؒ ملتانی نے عراقی کی باطنی استعداد کا اندازہ کر کے انھیں خرقۂ خلافت سے نوازا اور اپنی بیٹی بھی ان کے نکاح میں دے دی۔ ملتان میں چند سالہ قیام کے بعد انھوں نے ایشیائے کوچک اور چند دیگر ممالک کا سفر کیا۔ قونیہ میں صدرالدین قونوی سے استفادہ کیا۔ شیخ ابن عربی کی ''فصوص الحکم'' کے زیر اثر ''لمعات'' لکھی۔

کلیاتِ عراقی میں جملہ اصنافِ سخن موجود ہیں۔ مثنوی میں انھوں نے غزل درج کر کے ایک بے نظیر جدت دکھائی۔ سوز و ساز عاشق کے لحاظ سے فارسی کا کوئی شاعر عراقی کی ہمسری نہیں کرسکتا۔ غزل کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

نخستین بادہ کاندر جام کردند
زچشمِ مستِ ساقی وام کردند
بہ عالم ہر کجا درد غمی بود
بہم کردند و عشقش نام کردند
چوخود کردند رازِ خویشتن فاش
عراقی را چرا بدنام کردند

اس عہد کے دیگر نامور شعرا حسب ذیل ہیں:

مجد الدین ہمگر، امامی ہروی، ہمام تبریزی، نزاری قہستانی، حافظ محمود شبستری، خواجو کرمانی اوراوحد مراغی وغیرہ۔

ایلخانی دور کی نثر نگاری:

ایلخانی دور میں تاریخ نگاری کو زیادہ اہمیت حاصل ہوئی اور درج ذیل کتابیں لکھی گئیں۔

۱۔ تاریخِ وصاف از شہاب از رشید الدین فضل اللہ

۲۔ جامع التواریخ از رشید الدین فضل اللہ

۳۔ نظام التواریخ از قاضی بیضاوی

۴۔ تاریخ جہانگشای جوینی از عطا الملک جوینی

۵۔ تاریخ گزیدہ احمد اللہ مستوفی

۶۔ طبقاتِ ناصری از منہاج سراج

۷۔ تاریخ بناکستی از ابوسلیمان داؤد

۸۔ مطلع السعدین از عبدالرزاق سمرقندی

اس کے علاوہ مولانا جلال الدین رومی کی ''فیہ مافیہ'' کی ۶۸ فصلیں فارسی میں اور ۶ فصلیں عربی میں ہیں۔اس دور کی کتاب گلستانِ سعدی کو جو شہرت دوام نصیب ہوئی، شاید ہی نثر کی کسی کتاب کو میسر آئی ہو۔ یہ ۶۵۶ ھ میں لکھی گئی۔ گلستانِ سعدی کے آٹھ ابواب ہیں۔ یہ نثر و نظم کا حسین امتزاج ہے اور نثر نویسی میں نمونے کے طور پر لکھی جاتی ہے اور اس کی پیروی میں کئی کتابیں لکھی گئیں، لیکن سعدی کا انداز و اسلوب کسی کو میسر نہیں ہوسکتا اور گلستان کے جملے ضرب المثل کے طور پر استعمال ہوتے ہیں، مثلاً:

دامن از کجا آرم جامہ ندارم

من آنم کہ من دانم

''نہ ہر چہ بہ قامت مہتر بہ قیمت بہتر''

''ہر کہ دست از جان بہتر''

''ہر کہ دست از جان بشوید ہر چہ در دل دارد بگوید''

۷.۱۔ تیموری دور میں فارسی ادب:

ایران میں تیموری حکومت ۷۸۶ سے ۹۰۵ھ تک قائم رہی۔

شاہ رخ، الغ بیگ، بایسنقر اور حسین ابن منصور ابن بایقرا مشہور بادشاہ ہوئے۔ تیموری بادشاہ اہلِ علم و صاحبِ ذوق تھے، اس لیے شاعری، خطاطی، نقاشی اور دیگر فنون لطیفہ کی سرپرستی کرتے تھے۔

تیموری دور کی شاعری:

علی شیر نوائی، کمال خجندی، محمد شیرین مغربی تبریزی، ابواسحاق اطعمہ شیرازی، قاری یزدی، نعمت اللہ کرمانی، کاتبی شیرازی، امیر شاہی سبزواری، سید علی قاسم الانوار، آزاد اسفرینی، محمد بن جام الدین سلمان سادجی اور عبیدزاکانی اس دور کے مشہور شعرا میں سے ہیں، لیکن جو مقام و مرتبہ حافظ شیرازی اور مولانا جامی کو حاصل ہوا وہ جدا ہے۔

حافظ شیرازی:

لسان الغیب خواجہ شمس الدین محمد حافظ شیرازی ۷۲۶ھ میں شیراز میں پیدا ہوئے۔ حافظ قرآن ہونے کی وجہ سے تخلص ''حافظ'' اپنایا۔ ان کی زندگی شہرِ شیراز میں بسر ہوئی اور ۷۹۲ھ میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔ ان کے مزار کی جگہ کو ''حافظیہ'' کہا جاتا ہے۔

خواجہ شیرازی ایران کے نامور ترین شاعر ہیں۔ ان کے ہاں سعدی شیرازی کا درس عشق اور قلبی واردات اور کیفیات موجود ہیں، تو مولانا روم کا حکمت و تصوف اور شور و مستی بھی۔ آپ کے دیوان میں دو مختصر مثنویاں، چند قصائد اور قطعات و رباعیات موجود ہیں۔

حافظ شیرازی نے خواجہ کرمانی کی پیروی کی ہے اور کہا:

استادِ غزل سعدی است پیش ہمہ کس اما

دردِ سخنِ حافظ طرز و روشِ خواجہ

خواجہ کرمانی سبک عراقی کے شاعر تھے، مگر حافظ کے سبک کو محققین نے ''سبکِ حافظ'' قرار دیا ہے، جو مخصوص بہ خود ہے۔ حافظ اپنی الہام گوئی کی وجہ سے رند و پارسا ہر دو طبقات میں ہر دل عزیز مقبول ہے۔

بہ شعر حافظ شیراز می رقصند و می نازند

سیاہ چشمانِ کشمیری و ترکانِ سمر قندی

ایران میں حافظ کی مقبولیت کا یہ درجہ ہے کہ عام ایرانی گھروں میں دیوانِ حافظ موجود ہے اور کلامِ حافظ سے فال نکالی جاتی ہے۔کلام کانمونہ:

یوسف گم گشتہ باز آید بہ کنعان غم مخور
کلبہ احزان شود روزی گلستان غم مخور
ای دل غم دیدہ حالت بہ شود دل بد مکن
وین سر شوریدہ باز آید بہ سامان غم مخور
دورِ گردون گرد و روزی بر مراد ما نرفت
دائماً یکسان نماند حالِ دوران غم مخور
ہان مشونو مید چون واقف نئ از سرِ غیب
باشد اندر پردہ بازی ہائی پنہان غم مخور

مولانا جامی:

نورالدین عبدالرحمٰن جامی ۸۱۷ھ میں جام میں پیدا ہوئے۔ باپ کا نام نظام الدین تھا۔ابتدائی تعلیم اپنے والدِ محترم سے حاصل کی، پھر ہرات میں مولانا جنید اصولی، خواجہ علی سمرقندی، مولانا شہاب الدین اور قاضی زادہ رومی سے استفادہ کیا۔ ہرات میں ہی مولانا سعدالدین محمد کاشغری سے بیعت کی۔مرو میں خواجہ عبیداللہ احرار سے بھی کسبِ فیض کیا۔ ۸۷۷ھ میں حج کیا۔ ہمدان، کردستان، بغداد، نجف، دمشق، حلب، تبریز کی مسافت کی تفصیل رشحات عین الحیات میں مرقوم ہیں۔مولانا نے ۸۹۸ھ میں وفات پائی۔تیموری دور میں حافظ شیرازی کے بعد مسندِ شعر وسخن کی استادی مولانا جامی ہی کو میسر ہوئی اور صدیوں بعد آپ جیسے باکمال منصۂ شہود پر آئے، اسی لیے خاتم الشعرا کہلائے۔

جامی نثر ونظم کی جامع شخصیت ہیں: نفحات الانس، بہارستان اور اشعۃ اللمعات نثر میں ان کی معروف کتابیں ہیں۔ان کے ضخیم شعری دیوان میں سب اصنافِ سخن موجود ہیں۔ہفت اورنگ ان کی سات مثنویاں نظامی گنجوی اور خسرو کی تقلید میں لکھی گئی ہیں۔ان کے اشعار میں زورِ بیان، دلاویزی، ایجاز، عرفان وتصوف اور جدت ایک ساتھ نظر آتی ہے۔آپ سماع کے قائل نہ تھے، مگر کلام میں موسیقیت اور رقصیہ شان موجود ہے۔نمونۂ کلام:

بس کہ درجان فگار و چشم بیدارم توئ

ہر کہ پیدا می شود از دور پندارم توئی
آنکہ جان می بازد سرو نمی آردمنم
آنکہ خون می ریزد د سر برنمی آرم توئی
گفتۂ یارِ توام جامی مجو یارِ دگر
من بسی بی یار خواہم بود اگر یارم توئی

تیموری دور کی نثر:

تیموری دور کی فارسی کتب میں ترکی الفاظ کی کثرت ملتی ہے۔خراسان اور عراق کے ادبی مراکز بھی ختم ہو گئے، جن سے فارسی ادب کی ترقی وابستہ تھی۔اس کے باوجود تیموری دور میں فارسی نثر کو ایک سازگار ماحول میسر آیا اور فارسی نثر چھٹی اور ساتویں ہجری میں ادبی اور علمی موضوعات سے متعدد کتابیں اسی دور میں لکھی گئیں۔

ادبی کتب میں رسالہ اخلاق الاشراف، از عبید زاکانی مشہور کتاب ہے، جو خواجہ نصیر الدین طوسی کے رسالہ اوصاف الاشراف کی تحریف (پیروڈی) ہے۔عبید زاکانی ایران کا سب سے بڑا ہجو گو اور طنز نگار ہے۔عبید نے قصیدہ بھی کہا ہے، لیکن اس کی شہرت کا میدان ہزل اور بذلہ سنجی اور ہجو گوئی ہے۔رسالہ دلکشا، مثنوی موش و گربہ اور مثنوی عشاق نامہ زیادہ معروف ہیں۔بہارستانِ مولانا جامی کی تصنیف، گلستانِ سعدی کی پیروی میں لکھی گئی ہے۔انوار سہیلی از حسین واعظ کاشفی کا اسلوب کلیلہ ودمنہ سے ملتا جلتا ہ اور نثر منشیانہ ہے۔لطائف الطّوائف، حسین واعظ کاشفی کے بیٹے فخر الدین علی کی مزاحیہ حکایات پر مشتمل ہے۔

تواریخ میں زبدۃ التواریخ از خواجہ نورالدین معروف بہ حافظ ابرو، مجمل التواریخ از فصیح خوافی شاہ بلخہ اور روضات الجنات از معین الدین محمد اسفزاری معروف ہیں۔تذکروں میں جامی ''نفحات الانس'' دولت شاہ سمرقندی کا تذکرۃ الشعراء، امیر علی شیر نوائی کی مجالس النفائس، صوفی کمال الدین حسین گازرگاہی کی مجالس العشاق اور مولانا کمال الدین حسین واعظ کاشفی کی روضۃ الشہد ا اہم ہیں۔دینی وعرفانی وفلسفی کتابوں میں سے حسین واعظ کاشفی کی اخلاقِ محسنی اور مواہب علیہ، کمال الدین حسین خوارزمی کی جواہر الاسرا، جامی کی لوائح اور اشعۃ اللمعات اور جلال الدین دوانی کی اخلاقِ جلالی زیادہ شہرت کی حامل ہیں۔علمِ عروض اور نقدِ شعر پر المعجم فی معاییر اشعار العجم از شمس قیس رازی اور معیار الاشعار از نصیر الدین طوسی کے نام معتبر ہیں۔

۸.۱۔ صفوی دور میں فارسی ادب:

صفوی خاندان کی نسبت شیخ صفی الدین اردبیلی (۷۳۵ھ) سے ہے۔ اس سلسلے کا بانی شاہ اسماعیل اول (۹۳۰ھ) ہے۔صفوی دورِ حکومت (۹۰۵۔ ۱۱۳۵ھ) تک قائم رہا۔اس دور میں ایران میں سیاسی استحکام پیدا ہوا۔تشیع سرکاری مذہب قرار دیا گیا اور شعرا کی درباری سرپرستی ختم ہوگئی۔شاعر کے بجائے فنِ تعمیر،نقاشی،مصوری اور خطاطی کو زیادہ رواج ہوا۔ایرانی شعرا اور ادبا برصغیر سے سلاطین کی علمی سرپرستی اور بخشش و اکرام سن کر ہندوستان آ گئے۔

صفوی دور کی شاعری:

ایران میں قصیدہ گوئی کی اہمیت کم ہوئی اور مرثیہ سرائی کا رواج ہوا۔محتشم کاشانی اور حکیم شفائی کے مراثی مقبول ہوئے۔غزل میں نیا رجحان پیدا ہا۔خیالی اور تشبیہ و استعاراتِ بعید و مشکل رائج ہوئے اور سبکِ ہندی (اسلوبِ ہندی) معروف ہوا۔ایران میں بابا فغانی شیرازی سبک ہندی کے پہلے شاعر مانے جاتے ہیں۔شاعری چونکہ ذوقی مشغلہ بن گیا،اس لیے غزل اور مثنوی کو ترقی ہوئی۔صفوی دور کے معروف شعرا درج ذیل ہیں۔

بابا فغانی شیرازی:

بابا فغانی ۸۵۰ھ کے لگ بھگ شیراز میں پیدا ہوئے۔شروع میں چھریاں چاقو بنانے کا کام کرتے تھے،اس وجہ سے سکا کی تخلص اختیار کیا۔ بعد میں فغانی معروف ہوئے۔ جوانی کا زمانہ عیش و عشرت میں گزارا۔ ہرات اور تبریز کے درباروں سے ہوا کر واپس شیراز آ گئے۔زندگی کے آخری ایام مشہد میں گزارے اور وہیں ۹۲۵ھ میں وفات پائی۔

فغانی کا مرتب کردہ دیوان،تبریز میں ضائع ہوگیا۔ بعد میں بھائی کی مدد سے دوبارہ کلام جمع کیا اور دیوان مرتب ہوا۔فغانی ایک خاص اندازِ شعر کے بانی مانے جاتے ہیں۔معاصرین نے فغانی کے اسلوب،سادگی،دلاویزی اور زورِ بیان کو تسلیم کیا اور اس کی تشبیہات اور استعارات کی توصیف کی ہے۔فغانی کا دیوان ایران اور پاکستان (لاہور) میں چھپ چکا ہے۔دسویں اور گیارھویں صدی کے اکثر نامور شعرا مثلاً: وحشی بافقی،عرفی شیرازی،نظیری نیشاپوری،طالب آملی،کلیم کاشانی وغیرہ نے فغانی کی پیروی کی ہے۔

نمونۂ کلام:

آزاد تراز بلبل باغست دلِ ما
کب قفس گنج فراغست است دلِ ما
صد گونہ شراب از قدح دیدہ کشیدہ
فارغ از صراحی و ایاغست دلِ ما
آسودہ ز آبِ خضر و ساغرِ جمشید
در روغنِ خود تازہ دماغست دلِ ما

وحشی بافقی:

کمال الدین وحشی، کرمان کے ایک قصبے بافق میں پیدا ہوئے اور یہیں ۹۹۱ھ میں فوت ہوئے۔ وحشی کی مثنوی 'خلدِ برین'' نہایت دل آویز ہے۔ ''شیریں فرہاد'' لکھنی شروع کی، لیکن مکمل نہ کر سکا۔ بعد میں وصال شیرازی نے اسے مکمل کیا۔ وحشی نے اپنے مخالفین کی بے حد عریاں ہجویں کہی ہیں۔

واسوخت، شاعری میں غزل کی ضد واقع ہوئی ہے۔ واسوخت میں اپنے محبوب سے بیزاری اور گلہ وشکوہ کا اظہار کیا جاتا ہے۔ اردو ادب کے اکثر مورخ وحشی بافقی کو اس صنف کا موجد قرار دیتے ہیں اور اس کے دیوان میں واسوخت نما غزلیات موجود ہیں:

ماز سری کہ پریدیم پریدیم
امید ہر جا کہ بریدیم، بریدیم
رم دادن صید خود از آغاز غلط بود
حالاکہ رماندی و رمیدیم رمیدیم

محتشم کاشانی:

شمس الشعرا مولانا محتشم، شاہ طہماسب صفوی کے دربار سے وابستہ تھے۔ قصیدہ اور غزلیں بھی کہیں، لیکن ان کا اصل میدان مرثیہ اور اہلِ بیت کے مناقب ہیں۔ ان کے مرثیے، اردو کے نامور مرثیہ نگاروں میر انیس اور دبیر جیسی منظر نگاری اور

جزئیات نگاری کے حامل ہیں۔ان کے ایک معروف مرثیے کے چند اشعار درج ذیل ہیں:

باز این چہ شورش است کہ در خلق عالم
باز این چہ نوحہ و چہ عزا و چہ ماتم است
باز این چہ رستخیز عظیم است کز جہان
بی نفخ صور خاستہ تا عرشِ اعظم است
گر خوانمش قیامت دنیا بعید نیست
این رستخیز عام کہ نامش محرم است

اس کے علاوہ صفوی دور کے ہاتفی خراسانی (۹۲۷ھ) نے خمسۂ نظامی کی پیروی میں مثنویاں بھی لکھیں۔

خود آزمائی

۱۔ سلجوقی عہد کے نامور شعرا کی خدمات کا تفصیلی جائزہ لیں۔

۲۔ فارسی ادب کی تاریخ اس طرح بیان کریں کہ اس میں تمام ادوار کا تذکرہ ہو جائے۔

۳۔ پہلوی دور نے فارسی شاعری کو کس طرح متاثر کیا؟ مختلف شعرا کے حوالے سے مفصل نوٹ لکھیں۔

مجوزہ کتب برائے مطالعہ

۱۔ ادب نامۂ ایران، مرزا مقبول بیگ بدخشانی۔

۲۔ ایرانی ادب، ڈاکٹر ظہور الدین احمد۔

۳۔ تاریخ مختصر ادبیاتِ ایران، جلال الدین ہمائی۔

۴۔ تاریخ ادبیاتِ ایران، ذبیح اللہ صفا۔

۵۔ فارسی ادب کی مختصر تاریخ از ڈاکٹر محمد صدیق شبلی وڈاکٹر محمد ریاض۔

یونٹ...... ۴۔۵

اردو پر فارسی زبان کے اثرات

تحریر: پروفیسر ڈاکٹر محمد صدیق خان شبلی

فہرست

صفحہ نمبر

تعارف ---------- 67

مقاصد ---------- 67

۱۔ اردو پر فارسی کے اثرات ---------- 69

۲۔ برِصغیر میں فارسی کی آمد و اشاعت ---------- 70

۳۔ تورانی فارسی کی خصوصیات ---------- 72

۴۔ اردو پر فارسی اثرات کی نوعیت ---------- 74

۵۔ اردو میں عربی و ترکی الفاظ ---------- 75

۵.۱۔ عربی الفاظ ---------- 75

۵.۲۔ ترکی الفاظ ---------- 76

۶۔ لفظ سازی میں فارسی اثرات ---------- 77

۶.۱۔ فارسی سابقے ---------- 77

۶.۲۔ فارسی لاحقے ---------- 77

۶.۳۔ فارسی کلمات+اردو سابقے لاحقے ---------- 78

۷۔ فارسی الفاظ میں اردو تصرفات ---------- 80

۷.۱۔ تلفظ میں تصرف ---------- 80

۷.۲۔ لفظ میں تصرف -- 81

۷.۳۔ اضافے --- 82

۷.۴۔ حروف کا خذف --- 82

۷.۵۔ فارسی کلمات کے معانی میں تصرف ------------------------------------ 83

۸۔ فارسی ضرب الامثال ومحاورات -- 85

۸.۱۔ ضرب الامثال بصورتِ فارسی -- 85

۸.۲۔ فارسی ضرب الامثال بصورتِ ترجمہ ------------------------------------ 90

۹۔ فارسی محاورات بصورتِ ترجمہ -- 91

۱۰۔ اردو کی ساخت اور جملہ بندی --- 94

حوالے -- 95

خود آزمائی -- 95

مجوزہ کتب برائے مطالعہ -- 96

تعارف

اردو ایک ہند آریائی زبان ہے، لیکن اس نے اپنے ارتقا کے اہم مرحلے فارسی کے زیرِ اثر طے کیے، اس لیے اس پر فارسی کے اثرات بہت زیادہ پڑے ہیں۔ اردو میں فارسی کے ۶۰ فیصد الفاظ شامل ہیں۔ لفظ سازی کے معاملے میں اردو نے فارسی کی پیروی کی ہے، تاہم اردو نے فارسی الفاظ میں کچھ تبدیلیاں بھی کی ہیں۔ اردو جملے پر فارسی اثرات نظر آتے ہیں۔

مقاصد

اس یونٹ کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

۱۔ برِصغیر میں فارسی کی آمد اور اس کی اشاعت پر روشنی ڈال سکیں گے۔

۲۔ جو فارسی اردو پر اثر انداز ہوئی اس کی خصوصیات بیان کر سکیں گے۔

۳۔ اردو نے فارسی کے ذریعے عربی اور ترکی کا جو ذخیرۂ الفاظ قبول کیا، اس کی نشاندہی کر سکیں گے۔

۴۔ اردو نے فارسی کے ذریعے حاصل ہونے والے ذخیرۂ الفاظ میں جو تصرفات کیے، اس کی تفصیل بیان کر سکیں گے۔

۵۔ سابقوں اور لاحقوں کے ذریعے لفظ سازی میں اردو نے فارسی سے جو استفادہ کیا ہے، اس پر روشنی ڈال سکیں گے۔

۶۔ اردو میں شامل فارسی ضرب الامثال اور محاورات کی نشاندہی کر سکیں گے۔

۷۔ اردو جملے پر فارسی اثرات کی وضاحت کر سکیں گے۔

ا۔ اردو پر فارسی اثرات

اردو اور فارسی بعض وجوہ کی بنا پر دنیا کی قریب ترین زبانیں ہیں۔ پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی نے بعض ہندی تحریروں میں مستعمل فارسی الفاظ سے یہ ثابت کیا ہے کہ اردو، فارسی رسم الخط میں لکھی جاتی ہے۔ اس کا ذخیرۂ الفاظ ساٹھ فیصد فارسی سے آیا ہے یا اسی کے نمونے پر بنایا گیا ہے۔ فارسی شاعری کی تمام اصناف اردو میں منتقل ہوئیں اور اپنے ساتھ فارسی تشبیہات، استعارات و کنایات بھی لائیں اور اس طرح اردو زبان کی ثروت میں اضافہ ہوا۔ یہ درست ہے کہ اردو زبان اپنی اصل اور بناوٹ کے اعتبار سے ایک ہند آریائی زبان ہے، لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ اردو نے اپنی نشو ونما کے بہت سے مرحلے فارسی کے زیرِ سایہ طے کیے ہیں۔ اردو کی تشکیل میں فارسی نے بھی اہم کردار ادا کیا ہے۔ اگر فارسی زبان برِصغیر میں نہ آتی، تو پھر بھی ایک نئی زبان عالم وجود میں آ جاتی، لیکن وہ زبان موجودہ اردو سے یقیناً مختلف ہوتی۔ ہندوستان میں فارسی زبان کا آنا اردو کے ارتقا کے سلسلے میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

۲۔ برِ صغیر میں فارسی کی آمد و اشاعت

برِ صغیر میں فارسی کی آمد کے بارے میں بھی مختلف نظریات پیش کیے گئے ہیں۔ آنجہانی پنڈت کیفی کے بقول: فارسی ہندوستان میں مسلمانوں کی فتح دہلی سے پہلے موجود تھی، لیکن ان تحریروں میں زمانے کا تعین ایک ایسا مسئلہ ہے، جس میں اختلاف پایا جاتا ہے، اس لیے کیفی کے اس نظریے کو درست تسلیم نہیں کیا جاتا ہے۔ تاریخ ادبیاتِ ایران کے مصنف رضا زادہ شفق [۲] نے ہندوستان میں فارسی کی ترویج کے سلسلے میں مسلمانوں کے ساتھ پارسیوں کا نام بھی لیا ہے، جو دوسری اور تیسری صدی ہجری میں ایران سے ہجرت کر کے ہندوستان چلے آئے تھے، مگر ان لوگوں کی تھوڑی سی تعداد فارسی کی ترویج میں مؤثر نہیں ہو سکتی تھی، بلکہ وہ بہت جلد اپنی زبان بھلا بیٹھے اور انھوں نے گجراتی زبان کو اپنا لیا [۳]۔ دراصل برِ صغیر میں فارسی سب سے پہلے سندھ اور بلوچستان میں آئی، کیونکہ یہ علاقہ ایرانی سرحد سے متصل ہے اور اسلام سے پہلے بھی سیاسی اور ثقافتی اعتبار سے ایران کے زیرِ اثر محمد بن قاسم کے حملے کے بعد سندھ میں ایرانی اثرات اور بھی زیادہ ہو گئے [۴]۔

لاہور کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ غزنویوں کی بدولت برصغیر میں فارسی زبان و ادب کا پہلا بڑا مرکز بنا[5]، جس میں مسعود سعد سلمان اور ابوالفرج رونی جیسے عظیم شعرا پیدا ہوئے۔ سلاطینِ دہلی کے زمانے میں فارسی دہلی، دکن اور بنگال تک پہنچ گئی۔ دہلی کے علاوہ صوبے کا ہر صدر مقام فارسی شعر و ادب کا مرکز بن گیا۔ اس دور اور اس کے بعد کے فارسی نویسوں نے اپنی نظم و نثر میں ہندوستانی زبانوں کے الفاظ بڑی بے تکلفی سے استعمال کیے ہیں۔ حافظ محمود شیرانی مرحوم نے بڑی کاوش سے اپنے ایک مقالے میں طبقاتِ ناصری، تاریخِ فیروز شاہی مولفہ شمس سراج عفیف، سیر الاولیا اور مفرح القلوب کی نثر اور مسعود سعد سلمان اور امیر خسرو کی شاعری میں آنے والے ہندوستانی الفاظ کی مثالیں جمع کی ہیں۔ اسی طرح ہندوستانی زبانوں میں لکھی جانے والی نگارشات میں فارسی الفاظ بھی مل جاتے ہیں۔ فارسی کے دوسری زبانوں کے ساتھ اختلاط کا سب سے زیادہ فائدہ اردو کو پہنچا۔ فارسی کی وجہ سے اس کو ارتقا کی منزلیں طے کرنے میں زیادہ وقت نہ لگا اور اردو فارسی کے زیرِ سایہ بہت جلد ایک ادبی زبان بن گئی۔

سرزمینِ پاک و ہند میں فارسی کی آمد سے متعلق ایک نکتے پر توجہ دینا بے حد ضروری ہے۔ وہ یہ کہ برِ صغیر میں فارسی، ایران کے فارسی مراکز، خراسان و فارس سے نہیں آئی، بلکہ یہ فارسی ماوراء النہر سے افغانستان ہوتی ہوئی برِ صغیر میں آئی اور

اسے ایرانی فارسی کے مقابلے میں تورانی فارسی کہا جاتا ہے۔ یہ فارسی اپنے مخصوص تلفظ اور الفاظ کی وجہ سے ایرانی فارسی سے مختلف ہے۔ ہندوستان کی فارسی کا تعلق خراسان کی بجائے ماوراءالنھر سے ہے[۶]۔ اس کی تائید دوسرے محققین نے بھی کی ہے۔ ہندوستان کی فارسی پر ایرانی اثرات مغلیہ دور میں شروع ہوئے۔ اس سے پہلے ہندوستانی فارسی میں غالب عنصر تورانی فارسی کا ہی رہا۔ تورانی فارسی کی بعض خصوصیات اردو میں بھی منتقل ہوگئیں۔ اس فارسی کی مندرجہ ذیل خصوصیات قابلِ ذکر ہیں[۷]۔

۳۔ تورانی فارسی کی خصوصیات

۱۔ ایرانی فارسی میں بعض الفاظ میں ''گ'' آتا ہے، لیکن تورانی فارسی میں اس کی جگہ ''ک'' آتا ہے، مثلاً:

ایرانی	تورانی
اشگ (آنسو)	اشک
سرشگ	سرشک
مشگ	مشک
گشادن	کشادن
گشائش	کشائش
گشنیز (دھنیا)	کشنیز

اردو میں یہ الفاظ 'کاف' ہی کے ساتھ مستعمل ہیں۔

۲۔ فارسی ایرانی میں واوٴ مجہول اور یایی مجہول کی جگہ اب واوٴ معروف اور یای معروف نے لے لی ہے، لیکن فارسی تورانی میں واوٴ مجہول اور یای مجہول اب بھی موجود ہے اور اسی طرح اردو میں بھی مستعمل ہے، مثلاً: مندرجہ ذیل الفاظ تورانی فارسی اردو میں یای مجہول کے ساتھ مستعمل ہیں:

آشوب۔ افسوس۔ امروز۔ توپ۔ ہوش

اسی طرح مندرجہ ذیل الفاظ تورانی فارسی اور اردو میں یای مجہول کے ساتھ آئے ہیں

بیدار۔ پرہیز۔ پریشان۔ سیراب۔ میوہ۔ نیک

مندرجہ بالا الفاظ فارسی میں واوٴ معروف اور یای معروف کے ساتھ آئے ہیں

۳۔ ایرانی فارسی میں نون غنہ باقی نہیں رہا، لیکن یہ تورانی فارسی میں موجود ہے، مثلاً:

ایرانی	تورانی
آشیان	آشیاں
ارزان	ارزاں

ایرانی	تورانی
افزون	افزوں
نگون	نگوں
زرین	زریں
غمگین	غمگیں

۴۔ بعض الفاظ میں ایرانی وتورانی فارسی میں ''ب'' اور ''پ'' تبدیل ہوجاتے ہیں، مثلاً:

ایرانی	تورانی
پادشاہ	بادشاہ
اسب	اسپ
تب	تپ

۵۔ تورانی فارسی میں ''گی'' کے ساتھ حاصل مصدر کی ایسی مثالیں ملتی ہیں، جو ایرانی فارسی میں موجود رہتی ہیں، مثلاً: ادائیگی، حیرانگی، سختگی، مہربانگی۔

۴۔ اردو پر فارسی کے اثرات کی نوعیت

فارسی آٹھ سو سال تک ہندوستان کی درباری اور علمی زبان رہی ہے۔مسلمان فاتحین اور صوفیہ نے اسے ہندوستان کے گوشے گوشے میں پہنچا دیا۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان کی زبانوں میں شاید ہی کوئی زبان ایسی ہو،جس نے فارسی کے ذخیرۂ الفاظ سے فائدہ نہ اٹھایا ہو۔چونکہ شمالی ہند میں جہاں اردو ارتقا پذیر تھی،مسلمانوں کا عمل دخل زیادہ رہا ہے،اس لیے اردو نے اسی نسبت سے فارسی کا اثر زیادہ قبول کیا ہے۔یہ بات بڑی اہمیت رکھتی ہے کہ فارسی نے اردو زبان کی ساخت پر زیادہ اثر نہیں ڈالا،البتہ اردو نے فارسی الفاظ کو بڑی فراخ دلی کے ساتھ قبول کیا ہے۔عام طور پر ایک زبان دوسری زبان سے اسما، صفات مستعار لیتی ہے،لیکن اردو نے فارسی اور عربی حروف اور متعلقاتِ فعل تک لے لیے ہیں،مثلاً:

حروف: از۔تا۔پس۔اندر۔قبل۔سوا۔طرح۔بجا۔بجز۔پیش۔نزدیک۔واسطے۔''وَ''۔کہ۔خواہ۔اگر۔مگر۔ وگرنہ (ورنہ)۔پس۔لہٰذا۔بنابریں۔چونکہ۔تاکہ۔مبادا۔ہر۔اے۔یا۔ا(شاہا)۔سبحان اللہ۔ماشاءاللہ۔ استغفراللہ۔الامان۔الحفیظ۔الٰہی۔توبہ۔خبردار

متعلقاتِ فعل: یکایک۔ناگاہ۔ناگہاں۔بعدازاں۔شب وروز۔تخمیناً۔تقریباً۔خصوصاً۔زیادہ۔بالکل۔مطلق۔ہر چند۔ بعینہٖ۔باہم۔فوراً۔فی الفور۔الغرض۔شاید۔غالباً۔یقیناً۔بے شک۔بلاشبہ۔درحقیقت۔رفتہ رفتہ۔ حتی المقدور۔بخوشی۔ماہوار۔روزانہ۔

۵۔اردو میں عربی وترکی الفاظ

اردو میں جتنے عربی وترکی الفاظ استعمال ہوتے ہیں، وہ بھی فارسی ہی کے ذریعے اردو میں آئے ہیں۔عربی کا شاید ہی کوئی لفظ ہوگا، جو اردو نے براہِ راست عربی سے لیا ہو اور وہ فارسی میں مستعمل نہ ہو۔عربی الفاظ میں پہلے ایرانیوں نے کچھ تصرفات کیے۔ان الفاظ کو فارسی سے تصرفات کے بعد ہی قبول کیا ہے، بلکہ عربی الفاظ میں اسی طرح کے کچھ مزید تصرفات بھی کیے ہیں۔اس لحاظ سے فارسی اور اردو میں استعمال ہونے والے عربی الفاظ کا مطالعہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ دو آریائی زبانوں نے ایک سامی زبان کو ایک ہی انداز سے قبول کیا ہے[۸]۔

۵.۱۔ عربی الفاظ:

۱۔ اردو میں مستعمل عربی الفاظ بیشتر فارسی میں بھی استعمال ہو رہے ہیں۔اردو نے عربی سے براہ راست الفاظ بہت کم لیے ہیں، البتہ بعض اصطلاحات کے ترجمے میں عربی سے مدد لی گئی ہے اور یہ اصطلاحات فارسی میں مروج نہیں ہیں، مثلاً: معاشیات، نفسیات، میزانیہ وغیرہ۔

۲۔ اردو میں فارسی کے ذخیرۂ الفاظ سے اپنی ضرورت اور شرائط پر لفظوں کا انتخاب کیا ہے۔عربی کے کسی مادے سے فارسی میں دس لفظ مستعمل ہیں، تو اردو میں یہ سارے منتقل نہیں ہوتے، مثلاً: اردو میں فقدان، مفقود اور فقید کے الفاظ تو ہیں، لیکن تفقد رائج نہیں۔اسی طرح وحشت اور وحشی اردو میں موجود ہیں، لیکن استیحاش سے ہمیں وحشت ہے۔

۳۔ فارسی نے عربی حروف میں کچھ تصرفات کیے ہیں۔اردو نے ان الفاظ کو انھی تصرفات کے ساتھ قبول کیا ہے اور خود بھی ایسے تصرفات کیے ہیں۔

عربی	فارسی
بدء	بدو
جزء	جزو
تماشی	تماشا

تمنی	تمنا
قمیص	قمیض
خال	خالو

۵.۲۔ ترکی الفاظ:

اسی طرح اردو نے ترکی زبان سے براہِ راست شاید ہی کوئی لفظ لیا ہے۔ ترکی الفاظ اردو میں اس تلفظ اور معنی کے ساتھ آئے ہیں، جن میں وہ فارسی میں مستعمل ہیں۔ ہندوستان کے کئی حکمران خاندان، مثلاً: غزنوی، غلاماں، خلجی اور تغلق ترکی النسل تھے۔ مغلیہ خاندان ترکی سے گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ بابر ترکی کی زبان کا ادیب وشاعر تھا۔ جہانگیر اور شاہجہان بھی ترکی بولتے تھے۔ اس کے باوجود اردو میں ترکی کے تقریباً وہی الفاظ داخل ہوئے، جو فارسی کے راستے آئے[۹]۔

آپا۔ آتون۔ آغا۔ آفندی۔ اردو۔ انگہ۔ انا۔ اوجاق۔ باجی۔ باروت (بارود) ایلچی۔ بقچہ۔ بلاق۔ باورچی۔ بکاول۔ بیگم۔ تلاش۔ تمغہ۔ بہادر۔ بیرق۔ بیگ۔ بیگم۔ خان۔ خانم۔ داروغہ۔ چق۔ خاتون۔ طشت۔ طغرا۔ قاش۔ قاقم۔ قالیچہ۔ قالین۔ قرابین۔ قرولی۔ قلیان۔ کلی۔ قیچی۔ کورنش۔ یرغمال۔ یلدرم۔ یلغار۔ یورش۔ ہراول۔

۶۔ لفظ سازی میں فارسی اثرات

اردو میں فارسی سے صرف الفاظ ہی نہیں لیے، بلکہ لفظ سازی میں بھی فارسی سے بہت زیادہ مدد لی ہے۔لفظ سازی میں آریائی زبانوں کا ایک مشترک اصول سابقوں اور لاحقوں کا استعمال ہے،یعنی نیا لفظ بنانے کے لیے لفظ کے شروع یا آخر میں ایک جز بڑھا دیا جاتا ہے۔فارسی سابقوں اور لاحقوں کی مدد سے اردو میں بہت زیادہ الفاظ بنائے گئے ہیں اور بنائے جا سکتے ہیں۔اردو نے فارسی کے سابقوں اور لاحقوں سے ہی فائدہ نہیں اٹھایا، بلکہ بہت سے فارسی الفاظ جو فارسی میں کبھی بطور سابقہ یا لاحقہ استعمال نہیں ہوئے۔اردو میں ان سے بہت زیادہ الفاظ بنائے گئے ہیں [۱]۔

۶.۱۔ سابقے:

باخبر۔ برآمد۔ برآمدہ۔ برہم۔ بے آبرو۔ بے وفا۔ بے بس۔ بے گھر۔ پرنم۔ پرنور۔ پیشاب۔ پیش کار۔ پیشوا۔ ناتواں۔ ناسمجھ۔ ہمسایہ۔ ہم وطن۔ از حد۔ ازغیب۔ پابند۔ پازیب۔ پائیدار۔ تہ خانہ۔ تہ دیگی۔ خودستا۔ خودنما۔ خوشگوار۔ خوش لباس۔ زودہضم۔ زودنویس۔ سراپا۔ سردار۔ شہباز۔ شہ نشین۔ میر محلّہ۔ میر منشی۔ نورسی۔ نو دولت۔ نیم پختہ۔ نیم شب۔ ہرجائی۔ ہرکار۔ یکبارہ۔ یک لخت۔ چوپایہ۔ چومنزلہ۔

۶.۲۔ لاحقے:

اسلام آباد۔ فیض آباد۔ آزادانہ۔ ماہانہ۔ مستانہ۔ آبیانہ۔ جرمانہ۔ مہربان۔ تانگہ بان۔ باورچی۔ افیونچی۔ گلدان۔ پیکدان۔ ترکستان۔ پاکستان۔ نوازش۔ رہائش۔ بطک۔ ڈھولک۔ رضا کار۔ اداکار۔ ساہوکار۔ زیارت گاہ۔ آماج گاہ۔ عیدگاہ۔ کاریگر۔ قلعی گر۔ کوزہ گر۔ زندگی۔ آسودگی۔ موجودگی۔ دانش مند۔ ہوشمند۔ شرمندہ۔ کارندہ۔ دانشور۔ نامور۔ ظلمی۔ محنتی۔ وہمی۔ بزم آرا۔ صف آرا۔ دل آزار۔ رونق افروز۔ جلوہ افروز۔ حوصلہ افزا۔ روح افزا۔ خون آلود۔ تر آلود۔ نصیحت آمیز۔ مصلحت آمیز۔ پس انداز۔ قلم انداز۔ دوراندیش۔ خیراندیش۔ ولولہ انگیز۔ شرانگیز۔ اشکبار۔ مشکبار۔ جانباز۔ ہواباز۔ بارباش۔ تسلی بخش۔ پیربخش۔ علمبردار۔ حقہ بردار۔ کمربستہ۔ دست بستہ۔ پابند۔ کاربند۔ پسپا۔ سیخ پا۔ دلپذیر۔ ترقی پذیر۔ بت پرست۔ سرپرست۔ تن پرور۔ بندہ پرور۔ خودپسند۔ مشکل پسند۔ سفید پوش۔ خطاپوش۔ کمبل پوش۔ حرارت پیما۔

بارش پیما۔ سنگ تراش۔ ناخن تراش۔ جنگجو۔ بہانہ جو۔ خوشہ چین۔ نکتہ چین۔ گلچین۔ باورچی خانہ۔ فیلخانہ۔ ڈاک خانہ۔ یتیم خانہ۔ جیل خانہ۔ غم خوار۔ نمک خوار۔ نعت خواں۔ قرآن خواں۔ بدخواہ۔ قرض خواہ۔ ہوا خواہ۔ چغل خور۔ سودخود۔ رشوت خور۔ زرخیز۔ مردم خیز۔ سحرخیز۔ جائداد۔ روداد۔ ایماندار۔ بیلدار۔ داغدار۔ دکاندار۔ وضع دار۔ فوجدار۔ نمبردار۔ چوکیدار۔ حساب دان۔ سیاست دان۔ قانون دان۔ نادان۔ نکتہ دان۔ آبدوز۔ زمین دوز۔ جہازران۔ کامران۔ ہوشربا۔ دسترس۔ دادرس۔ پیغام رساں۔ روزی رساں۔ ستم رسیدہ۔ بلا رسیدہ۔ پیشرو۔ میانہ رو۔ رنگریز۔ گلریز۔ پری زاد۔ ہم زاد۔ پیرزادہ۔ شاہزادہ۔ قلمزد۔ نامزد۔ راہزنی۔ لاف زنی۔ جلدساز۔ چارہ ساز۔ کارساز۔ خودسر۔ ہمسر۔ غزل سرا۔ نغمہ سرا۔ بذلہ سنج۔ نکتہ سنج۔ دل سوز۔ حیاسوز۔ دانداں شکن۔ توبہ شکن۔ اختر شمار۔ خانہ شمار۔ حق شناس۔ موقع شناس۔ آرام طلب۔ غورطلب۔ شہرت طلب۔ تشریف فرما۔ کارفرما۔ کتب فروش۔ گلفروش۔ وطن فروش۔ دلفریب۔ نظرفریب۔ آتش فشاں۔ گل فشاں۔ سایہ فگن۔ جلوہ فگن۔ زودفہم۔ معاملہ فہم۔ کم فہم۔ جفاکش۔ دلکش۔ کنارہ کش۔ پردہ کشائی۔ مشکل کشائی۔ گرہ کشائی۔ کوہ کن۔ گورکن۔ اطاعت کوش۔ سخت کوش۔ جان گداز۔ دل گداز۔ آوارہ گرد۔ کوچہ گرد۔ رہ گردان۔ سرگردان۔ اطاعت گزار۔ تہجد گزار۔ خدمت گزار۔ مے گسار۔ غمگسار۔ شہرگشت۔ مٹرگشت۔ بدگو۔ قصہ گو۔ راست گو۔ آتش گیر۔ دامن گیر۔ ماہی گیر۔ تخت نشین۔ افسانہ نگار۔ مضمون نگار۔ نامہ نگار۔ خودنما۔ راہنما۔ بادنما۔ بندہ نواز۔ غریب نواز۔ طبلہ نواز۔ ستارنواز۔ اخبار نویس۔ عرائض نویس۔ خوش نویس۔ مختصرنویس۔ کامیاب۔ شرفیاب۔ دستیاب۔ ترقی یافتہ۔ تربیت یافتہ۔ تعلیم یافتہ۔

۶.۳۔ فارسی کلمات+اردو سابقے لاحقے

الف (صفت)

بےاصولا (بے+اصول+ا)　بے پیرا (بے+ پیر+ا)　بےقدرا　دورنگا　ناشکرا

انی (لاحقہ تانیث)

سیدانی (سید+انی)　مغلانی　مستانی　مہترانی

ن (لاحقہ تانیث)

باورچن۔ پارسن۔ درزن۔ فرنگن۔ مولون۔ یہودن

نا (علامتِ مصدر)

آزمانا۔ بخشنا۔ خریدنا۔ شرمانا۔ قبولنا۔ لرزنا۔ گذرنا۔ گذارنا۔ گمنا۔ رندنا۔ دفنانا۔ نرمنا۔ تراشنا۔ افطارنا۔

نی (علامت تانیث)

استانی۔ شیرنی۔ فقیرنی۔ ملانی

و (صفت)

بازارو۔ بیگارو۔ دیدارو

وں (جمع)

بچوں۔ چرخوں۔ کتابوں۔ مردوں

ہ (ظرفیت)

بزازہ۔ (بزازی) زمیندارہ۔ صرافہ۔

ی (تانیث)

بچی۔ برہمنی۔ شاہزادی۔ مرغی۔ ہمسائی۔

ی (تصغیر)

آری۔ بدیر (تھیلی)۔ بقچی۔ پیالی۔ تختی۔ چرخی۔ چمچی۔ دیگچی۔ شیشی۔

یا (صفت)

خلیا (خلیا ساس)۔ فریبیا۔ قانونیا۔ فالیا۔ کبابیا۔ مطلبیا۔

یلا (صفت)

جذبیلا۔ جوشیلا۔ چربیلا۔ خرچیلا۔ زہریلا۔ شرمیلا۔ رنگیلا۔

اردو میں فارسی سابقوں اور لاحقوں کی مدد سے جو الفاظ بنائے گئے ان پر خود اہل ایران کو حیرت ہوتی ہے۔ آپ کو یہ جان کر تعجب ہوگا کہ ہمدردی اور رواداری کے اردو لفظ آج بھی ایرانیوں کے لیے باعثِ رشک ہیں۔ وہاں ایکسپریس یا میل ٹرین کو سریع السیر کہتے ہیں۔ اس بھاری بھرکم ترکیب کے مقابلے میں ہماری گاڑیوں کے نام مثلاً: تیز گام، تیز رو کتنے ہلکے پھلکے اور خالص فارسی کا رنگ لیے ہوئے ہیں۔ کسی ایک زبان کے الفاظ کسی دوسری زبان میں استعمال ہونا لسانیاتی نقطۂ نظر سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے، لیکن لفظ سازی میں کسی دوسری زبانوں کے اصولوں کا اپنا لینا بہت اہم ہے۔ فارسی کا اردو کا تشکیل میں سب سے بڑا حصہ یہی ہے۔ اردو میں فارسی الفاظ کا اخراج شاید آسان ہو، مگر ان فارسی سابقوں اور لاحقوں کا نکال دینا ممکن نہیں۔ ہندی زبان کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ اس مصنوعی زبان سے فارسی الفاظ تو نکال دیے گئے، لیکن فارسی سابقے لاحقے اب بھی استعمال ہو رہے ہیں۔

۷۔ فارسی الفاظ میں اردو کے تصرفات

اردو نے فارسی سے بہت کچھ لیا ہے، لیکن ہر مستقل زبان دوسری زبان کے عنصر کو اپنے مزاج کے مطابق قبول کرتی ہے۔ اردو میں فارسی و عربی الفاظ کا ایک بہت بڑا سرمایہ موجود ہے، لیکن بہت سے الفاظ کو اردو نے صوتیات کے مطابق ڈھال لیا ہے۔ بعض لفظوں میں حروف کم یا زیادہ کیے ہیں، کچھ لفظوں کے معنی بھی تبدیل کر دیئے (اگر چہ اردو نے اپنے ارتقا کے بہت سے مرحلے فارسی کے زیر اثر طے کیے ہیں، لیکن یہ خصوصیات بتاتی ہیں کہ وہ ایک مستقل زبان ہے اور اپنے اصول وقواعد رکھتی ہے)"۔

۱.۷۔ تلفظ میں تصرف:

۱۔ دو متحرک حروف اگر اکٹھے آ جائیں، تو دوسرا ساکن ہو جاتا ہے، جیسے: بَرَکت۔ حَرَکت۔ شَفَقت اردو میں برکت۔ حرکت اور شفقت پڑھے جاتے ہیں۔ جَذَبات، حَشَرات اور حَضَرات اردو میں جذبات، حشرات اور حضرات ہو جاتے ہیں اور اسی قسم کی بہت سی مثالیں ہیں۔

۲۔ اگر کسی لفظ میں دو ساکن الفظ اکٹھے آ جائیں، تو ان میں پہلا ساکن متحرک ہو جاتا ہے، مثلاً: ذِبح، شَرح، صُلح اردو میں ذبَح، شرَح اور صلح جَمع، شَرع، قَطع جَمع، شَرع اور قَطَع سَعی، نَفی، نَہی، سَعی نَفِی اور نَہی ہو جاتے ہیں۔

۳۔ زیر، زبر، پیش کی تبدیلی

الف زبر کی جگہ پیش: زَعم، شَغل، وَقعت اردو میں زُعم، شُغل، وُقعت پڑھے جاتے ہیں۔

ب زبر کی جگہ زیر: جَرح، خَدمات، خَرمن، عَلاقہ، غَذا، فَدا اردو میں جِرح، خِدمات، خِرمن، عِلاقہ، غِذا اور فِدا ہو جاتے ہیں۔

ج پیش کی جگہ زبر: بیگُم، چپقُلش، خانُم، ضُرور، گُوارہ، مُروارید۔ اردو میں بیگَم، چپقَلش خانَم، ضَرور، گوارا، مَروارید ہو جاتے ہیں۔

۲.۷۔ لفظ میں تصرف:

مد کی جگہ زبر: آچار، آرمان، اورآلفتہ اردو میں اَچار، اَرمان اور اَلفتہ ہو جاتے ہیں۔

مشدد کی تشدید ختم کرنا: عربی و فارسی میں ان الفاظ کا آخر حرف مشدد ہے، لیکن اردو میں بغیر تشدید کے آتا ہے۔

جِنّ۔ حُبّ۔ حَقّ۔ رَبّ۔ شَرّ۔ لَفّ۔ اہمّ

	فارسی	اردو
ق کی جگہ غ	آقا۔قالیچہ۔سوقات۔	آغا، غالیچہ اور سوغات ہو جاتے ہیں۔
پ کی جگہ ب	پادشاہ۔ پرما۔ پوسیدہ۔	بادشاہ، برما اور بوسیدہ پڑھے جاتے ہیں۔
د کی جگہ ت	بید۔ پلید۔ دوشک	بیت، پلیت اور توشک پڑھے جاتے ہیں۔
ت کی جگہ ٹ	بوتہ۔ پتو۔تل	بوٹا، پٹوٹل، ٹیلا ہو گئے۔
ب کی واؤ	پایاتبہ۔پیش باز۔تابہ	پائتاوا(پیتاوہ)، پیشواز، تواپڑھے جاتے ہیں۔
ر کی جگہ ڑ	توبرہ اور نوار	توبڑہ اور نواڑ بھی کہتے ہیں۔
د کی جگہ ڈ	دف اور دہل	ڈف اور ڈھول کہا جاتا ہے۔
ر کی جگہ ل	سیر۔سرور۔زفیر	سیل، سردل اور زفیل ہو جاتے ہیں۔
ص کی جگہ س	مصالح۔قصاب۔خیر وصلاح	مسلا، قسائی اور خیر سلاّ ہو گئے۔
ہ کی جگہ الف	تیغہ۔جولاہہ۔چوغہ۔چلّہ	تیغا، جولاہا، چوغا، چھلا
	رندہ۔آوہ	رندا، آوا
متفرق	عماری	انباری
	خراط	خراد
	خرج	خرچ
	عملہ فعلہ	عملہ قبلہ
	ہاون دستہ	ہمام دستہ

۷.۳۔ اضافے:

لفظ کے آخر میں الف کا اضافہ جیسے: ابّا (ابّ)۔ اماں (امّ)۔ بسترا (بستر)۔غبارا، کرگھا (کارگاہ)۔

لفظ کے آخر میں ڑا کا اضافہ جیسے: پلڑا۔ چمڑا۔ لنگڑا۔ ہیجڑا (ہیز+ڑا)۔

لفظ کے آخر میں ی کا اضافہ جیسے: اضطرابی۔ انکساری۔ تقرری۔ یہودی۔ خلاصی۔ شتابی۔

۷.۴۔ حروف کا حذف:

الف کا حذف:

	فارسی	اردو
	چپات	چپت
	دستارخوان	دسترخوان
	کارگاہ	کرگھا
واوٴ کا حذف:	فارسی	اردو
	جولاہا	جلاہا
	چوغہ	چغہ
	صابون	صابن
ی کا حذف:	فارسی	اردو
	پیرار	پرار
	سیپارہ	سپارہ
	شبخون	شبخون
	موچینہ	موچنا
الف کی بجائے یا ی:	فارسی	اردو
	پازار	پیزار
	پاجامہ	پیجامہ

پاخانہ	پیخانہ
حوالی	حویلی

۵.۷۔ فارسی کلمات کے معانی میں تصرف (چند مثالیں):

	فارسی	اردو
آدمی	آدم سے منسوب	انسان
آرام	سکون وقرار	آسائش۔استراحت
آسمانی	آسمان سے متعلق	نیلا رنگ
آوارہ	مہاجر	آوارہ گرد
اجابت	جواب	رفع حاجت
اخبار	جمع خبر	روزنامہ
ادا	ادا کرنا	ناز وادا
افشاں	بکھرا ہوا	ایک چمکیلی چیز جو دلہن کے سنگھار کا جز ہے
افواہ	جمع فم (منہ)	جھوٹی خبر
اندیشہ	تدبیر،غور کرنا	اضطراب
اوقات	جمع وقت	حیثیت
بانگ	آواز	اذان
برآمد	نکلنا	درآمد و برآمد
برخوردار	بہرہ مند، کامیاب	عمر میں چھوٹے کو برخوردار کہہ کر مخاطب کرتے ہیں
بزرگ	بڑا	بوڑھا۔عمر رسیدہ
بندگی	اطاعت	سلام۔عبادت
بو	بو	بدبو
پای بند	پاؤں کی زنجیر	پابندی کرنے والا

	فارسی	اردو
پاداش	جزا	سزا
پرستار	خدمت گار، نرس	پرستش کرنے والا
پریشان	پراگندگی	پریشانی
تبادلہ	آپس میں بدلنا	تبدیلی
تبرک	کسی چیز سے برکت حاصل کرنا	کسی مزار سے ملنے والی کھانے کی چیز
تبرکات	تبرک کی جمع	متبرک چیزیں
تحصیل	حاصل کرنا	ضلع کی تحصیل
تردد	آمدورفت	تذبذب
ترس	خوف	کسی پر رحم کھانا
تسلیم	مطیع ہونا	سلام
تقریب	نزدیک ونزدیکی	جشن وغیرہ
تکیہ	کسی کا سہارا لینا	سرہانا۔ بالش
تواضع	عجز وانکسار	خاطر تواضع
تہلکہ	ہلاکت	شوروغوغا
تہیہ	آمادہ	پکا ارادہ
جریدہ	تنہا	مجلّہ
چابک	پھرتیلا	سانٹا
چشمہ	پانی کا چشمہ	عینک
حرکت	ہلنا	بُری حرکت
حریف	ہم پیشہ	مقابل۔ رقیب
حظ	حصہ	مزہ
خوشبو	خوشبودار	خوشبو
خیابان	سڑک	کیاری

۸۔ فارسی ضرب الامثال محاورات

اردو نثر و نظم میں فارسی کی ضرب الامثال بھی منتقل ہوئی ہیں۔ ان میں سے بعض فارسی میں اور بعض اردو ترجمے کی شکل میں اردو میں استعمال ہو رہی ہیں۔ فارسی کے بعض برجستہ مصرعے اور جملے بھی اردو میں ضرب الامثال کی حیثیت اختیار کر گئے ہیں۔ ذیل میں دونوں قسم کی ضرب الامثال درج کی جا رہی ہیں۔

۸.۱۔ فارسی ضرب الامثال بصورتِ فارسی:

آب آمد تیمّم برخاست

آب از سر گذشت

آب ندیدہ موزہ کشید

آپ زندم جہان زندم آپ مردم جہان مردم (خود زندہ جہان زندہ، خود مردہ جہان مردہ)

آدم نہ آدم زاد

آفتاب آمد دلیلِ آفتاب

آمدم برسرِ مطلب

آمدن بہ ارادت رفتن بہ اجازت

آن دفتر را گاؤ خورد (وہ دفتر گاؤ خورد ہو گیا)

آن قدح بشکست و آن ساقی نماند

آوازِ سگان کم نکند رزق گدا را

از آدم تا این دم

از تو حرکت از خدا برکت

از خردان خطا از بزرگان عطا

از دیدہ دور از دل دور

خاموشی نیم رضامندی

اللہ بس باقی ہوس

اول خویش بعد درویش

اول طعام بعد کلام

ایاز قدرِ خود بہ شناس

این خانہ ہمہ آفتاب است

با ادب بانصیب بی ادب بی نصیب

با مسلمان اللہ اللہ با برہمن رام رام

براتِ عاشقاں بر شاخِ آہو

برگِ سبز است تحفۂ درویش

برین عقل و دانش بباید گریست

بزرگی بہ عقل است نہ بہ سال

بندگی بی چارگی

بیک بینی و دو گوش

بیک کرشمہ دو کار

نہ پائی رفتن نہ جائی ماندن

پای گدا لنگ نیست ملکِ خدا تنگ نیست

پدرم سلطان بود

پیش از مرگ واویلا

تنگ آمد بجنگ آمد

جای استاد خالی است

جای تنگ است و مردمان بسیار

جوابِ جاہلان باشد خموشی

چاہ کن را چاہ در پیش

چرا کاری کند عاقل کہ باز آید پشیمانی

چشمِ ماروشن دلِ ماشاد

چندے آفتاب چندے ماہتاب

چون کفر از کعبہ برخیزد

چہ نسبت خاک را بہ عالمِ پاک

حسابِ دوستان در دل

حکمِ حاکم مرگِ مفاجات

خس کم جہاں پاک

خطای بزرگان گرفتن خطاست

خوی بد را بہانہ بسیار

دامی درمی قدمی سخنی

دروغ بر گردن راوی

دستِ خود دہانِ خود

دینا برامید قائم است

دیر آید درست آید

دیوار ہم گوش دارد

زبانِ خلق نقارہ خدا

سگ باش و برادر خرد مباش

سلام روستائی بی غرض نیست

سنگ آمد و سخت آمد

شملہ بمقدار علم

شنیدہ کی بود مانند دیدہ

طاقت مہمان نداشت خانہ بہ پیمان گذاشت

طمع راسہ حرف است و ہرسہ تہی

عطای تو بلقای تو

عیان راچہ بیان

غم نداری بز بخر

قول مردان جان دارد

کردنی خویش آمدنی پیش

کسبِ کمال کن کہ عزیزِ جہاں شوی

کند ہم جنس با ہم جنس پرواز

کی آمدی و کی پیر شدی

گذشتہ راصلوٰۃ آئندہ رااحتیاط

گُربہ کشتن روزِ اول

گذشت آنچہ گذشت

گندم نما جوفروش

گویم مشکل نگویم مشکل

ما بخیر شما بسلامت

مالِ عرب پیشِ عرب

مالِ مفت دلِ بی رحم

مدعی سست گواہ چست

مرضی مولیٰ از ہمہ مولیٰ

مگر انبوہ جشنی وارد

مشتری ہوشیار باش

مشک آنست کہ خود ببوید

مفت راچہ گفت

من آنم کہ من دانم

من تراحاجی بگویم تو مراملا بگو

نزلہ برعضوِضعیف

نقلِ کفر کفر نباشد

نیکی برباد گناہ لازم

نیم حکیم خطرۂ جان نیم ملاخطرۂ ایمان

ولی راولی می شناسد

ہر چہ درکان نمک رفت نمک شد

ہر روز عید نیست کہ حلوہ خورد کسی

ہر کہ آمد عمارتِ نو ساخت

ہر نوالہ بسم اللہ

ہنوز دلی دور است

یار زندہ صحبت باقی

یک انار وصد بیمار

یک جان و دو قالب

یک سر و ہزار سودا

یک نشد دو شد

یہ تمام ضرب الامثال اردو کی ادبی کتب اور فرہنگوں سے لی گئی ہیں۔

۸.۲۔ فارسی ضرب الامثال بصورتِ ترجمہ:

فارسی	اردو
آب وآتش رابا ہم چہ آشتی	آگ پانی کا کیا میل
آواز دہل شنیدن از دور خوش است	دور کے ڈھول سہانے
انگور از انگور ہمیں گیر درنگ	خربوزہ خربوزے کو دیکھ کر رنگ پکڑتا ہے
براسبِ چوبین سوار است	کاٹھ کے گھوڑے پر سوار ہے
بلای طویلہ برسرِ میمون	طویلے کی بلا بندر کے سر
بیگار کنی بہ کہ بیکار باشی	بیکار سے بیگار بھلی
پرسیدہ بہ کعبہ می توان رفت	پوچھتے پوچھتے آدمی دلّی پہنچ جاتا ہے
پنج انگشت برابر نمی باشد	پانچوں انگلیاں برابر نہیں
تو نیکی می کن ودر دجلہ انداز	نیکی کر دریا میں ڈال
ولی ولی رامی شناسد	چور چور کو پہچانتا ہے
دہن دریدہ	منہ پھٹ
روزِ روشن ستارہ شمارد	دن کو تارے گنتا ہے
زرزر رامی آرد	پیسے کو پیسہ کھینچتا ہے
سخنِ راست تلخ می باشد	سچی بات کڑوی ہوتی ہے
کارِ امروز بفردا میفگن	آج کا کام کل پر نہ ڈالو
کلاہِ احمد برسرِ محمود	احمد کی پگڑی محود کے سر
گرگ ومیش باہم آب می خورد	شیر اور بکری ایک گھاٹ پر پانی پیتے ہیں
گوسالہ بزورِ میخ می جہد	بچھڑا کھونٹے کے زور پر کودتا ہے
مارگزیدہ از ریسمان می ترسد	سانپ کا کاٹا رسی سے بھی ڈرتا ہے

۹۔ فارسی محاورات

اردو نثر میں بہت سے فارسی محاورات کے ترجمے کی صورت میں مروج ہیں۔ برصغیر کی قدیم زبانوں میں محاورات کے ایسے استعمال کی مثالیں نہیں ملتیں۔

آبادشدن	آباد ہونا	آمادۂ سفر شدن	آمادۂ سفر ہونا
آباد کردن	آباد کرنا	آوارہ شدن	آوارہ ہونا
آب از چیزی بردن	آب ختم کرنا	آواز دادن	آواز دینا
آب از سر گذشتن	پانی سر سے گزرنا	اختر شمردن	اختری شماری کرنا
آب بچیزی دادن	پانی دینا	از بر کردن	از بر کرنا
آب بدہان گردیدن	منہ میں پانی بھر آنا	از نظر فتادن	نظروں سے گرنا
آب در گرہ کردن	پانی میں گرہ لگانا	از حدِ خود بیرون آمدن	اپنی حد سے باہر ہونا
آب شدن	پانی پانی ہونا	از زبان جستن	زبان سے نکلنا
آتش زدن	آگ لگانا	از کار دست کشیدن	کام سے ہاتھ کھینچ لینا
آتش شدن	آگ ہونا	پہلو تہی کردن	پہلو تہی کرنا
آرایش کردن	آرائش کرنا	از یک چشم دیدن	ایک آنکھ سے دیکھنا
آرزو حاصل شدن	آرزو پوری ہونا	اشک ریختن	اشک بہانا
آرزو داشتن	آرزو رکھنا	اشک فرو خوردن	آنسو پینا
آرزو کردن	آرزو کرنا	افسردہ شدن	افسردہ ہونا
آستین بالا زدن	آستین چڑھانا	افشای راز کردن	افشائے راز کرنا
الوداع گفتن	الوداع کہنا	بیرون آمد از عہدہ	عہدہ برا ہونا
امید برآمدن	امید برآنا	پای خفتن	پاؤں سو جانا
امید داشتن	امید رکھنا	پردہ کشیدن	پردہ ہٹانا
انجام دادن	انجام دینا	پشت شکستن	کمر ٹوٹنا

انگشتِ حیرت بدندان گرفتن	انگشت بدندان ہونا	پشت دوتا کردن	کمر دوہری کرنا
انگشت نہادن	انگلی رکھنا	پنبہ درگوش افکندن	کانوں میں روئی ٹھونس لینا
باز داشتن از چیزی	باز رکھنا	نقب زدن	نقب لگانا
بر باد دادن	برباد کرنا	پوست کندن	کھال اتارنا
بباد رفتن	برباد ہونا	پہلو دزدیدن	پہلو چرانا
بجا آوردن	بجالانا	پیراہن قبا کردن	جامہ قبا کرنا
بچشم دیدن	آنکھوں سے دیکھنا	تب شکستن	بخار ٹوٹنا
بحال آمدن	اپنے حال میں آنا	ترکی تمام شدن	ترکی تمام ہونا
بدست وپای کس افتادن	کسی کے ہاتھ پاؤں پڑنا	تشت از بام شدن	طشت از بام ہونا
بر باد دادن	برباد کرنا	تلخ شدن زندگانی	زندگی تلخ ہونا
بر پای کس افتادن	پاؤں پڑنا	تیر انداختن بر چیزی	کسی چیز پر تیر چلانا
بسر شدن	بسر ہونا	تیر بہ تاریکی زدن	اندھیرے میں تیر چلانا
بفریاد رسیدن	فریاد کو پہنچنا	تیشہ بر پا زدن	اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنا
بگرد چیزی نرسیدن	گرد کو نہ پہنچانا	جان دادن	جان دے دینا
بنیاد نہادن	بنیاد رکھنا	جای کسی گرفتن	کسی کی جگہ لینا
چراغ افروختن	چراغ جلانا	دست بر دل نہادن	دل پر ہاتھ رکھنا
چراغ گل کردن	چراغ گل کرنا	دست گرفتن	ہاتھ پکڑنا
چشم از چیزی فروبستن	کسی چیز سے آنکھ بند کرلینا	دل گرفتہ شدن	دل گرفتہ ہونا
چشم براہ داشتن	چشم براہ ہونا	دہنِ کسی بستن	کسی کا منہ بند کرنا
چشم پوشی کردن	چشم پوشی کرنا	راہ طی کردن	رستہ طے کرنا
چشم نمائی کردن	آنکھیں دکھانا	رخت بربستن	رخت باندھنا
حساب پاک کردن	حساب پاک کرنا	رگِ چیزی گرفتن	دکھتی رگ پکڑنا
حساب دادن	حساب دینا	رنگ پریدن	رنگ اڑنا
حساب کردن	حساب کرنا	زانو تہ کردن	زانو تہ کرنا

حساب گرفتن	حساب لینا	زبان بستن	زبان بندی کرنا
بر چیزی حق داشتن	کسی چیز پر حق رکھنا	زبان دادن	زبان دینا
حنا بستن	حنا بندی کرنا	سیر آمدن از چیزی	کسی چیز سے سیر ہونا
حوصلہ داشتن	حوصلہ رکھنا	طرح ریختن	طرح ڈالنا
حیلہ کردن	حیلہ کرنا	عاجز شدن	عاجز ہونا
خار در راہ نہادن	راستہ میں کانٹے بچھانا	عاشق شدن	عاشق ہونا
خاک شدن	خاک ہوجانا	عقدہ گشادن	عقدہ کشائی کرنا
خط کشیدن	خط کھینچنا	غارت کردن	غارت کرنا
خون کردن	خون کرنا	غرق شدن	غرق ہونا
داغ شستن	داغ دھونا	غرقاب شدن	غرقاب ہونا
در آغوش گرفتن	آغوش میں لینا	فروکش شدن	فروکش ہونا
قفل بلب خود نہادن	زبان کو تالا لگانا	نمک برریش افکندن	زخموں پر نمک چھڑکنا
قلم بند کردن	قلم بند کرنا	وجد کردن	وجد کرنا
قلم زد کردن	قلم زد کرنا	یاد کردن	یاد کرنا
چارہ داشتن	چارہ کرنا	قلم کردن	قلم کرنا
کار تمام ساختن	کام تمام کرنا	کمر بستن	کمر بستہ ہونا
کمر شکستن	کمر ٹوٹنا	کوچ کردن	کوچ کرنا
گرہ درکار افتادن	کام میں گرہ پڑنا	گریبان گرفتن	گریبان پکڑنا
گشت کردن	گشت کرنا	گوش گزار کردن	گوش گزار کرنا
لاف زدن	لاف مارنا	لشکر کشیدن	لشکر کشی کرنا
مہر کردن	مہر کرنا	ناخن چیدن	ناخن کاٹنا
ناخن تیز کردن	ناخن تیز کرنا	نام بردن	نام لینا

۱۰۔ اردو کی ساخت اور جملہ بندی

اگرچہ فارسی نے اردو کی ساخت پر زیادہ اثر نہیں ڈالا، پھر بھی اردو نحو (ترکیب جملہ بندی) پر فارسی کے کچھ اثرات ضرور نظر آتے ہیں۔ قدیم اردو میں اگر موصوف جمع ہوتا، تو اس کے ساتھ صفت بھی جمع لائی جاتی تھی، مثلاً:

کالیاں راتاں　　بھلیاں باتاں

لیکن اب فارسی کے زیرِ اثر صفت کو واحد لاتے ہیں، جیسے:

کالی راتیں　　بھلی باتیں

فارسی جملے میں پہلے فاعل آتا ہے اور پھر فعل۔ جملے کی یہی ترتیب اردو میں بھی پائی جاتی ہے۔

مسعود رفت　　مسعود گیا۔

اکبر آمد　　اکبر آیا۔

فارسی جملے میں پہلے فاعل، پھر مفعول اور فعل آخر میں آتا ہے اور یہی صورت اردو میں بھی ہے۔

اکبر سیب خورد　　اکبر نے سیب کھایا۔

جلیل نامہ می نویسد　　جلیل خط لکھتا ہے۔

فارسی جملے فاعل مفعول کے ساتھ اگر متعلق فعل بھی ہو، تو پہلے بھی آ جاتا ہے اور بعد میں بھی، مثلاً:

روزی نوشیروان بشکار رفتہ بود	ایک دن نوشیروان شکار کو گیا ہوا تھا۔
بہرام امروز بہ لاہور رفتہ است	بہرام آج لاہور گیا ہے۔

مندرجہ ذیل جملوں میں فارسی اور اردو میں اجزائے جملہ کی ترتیب ایک جیسی ہے:

سلیم مریض است	سلیم مریض ہے۔
اکبر طبیب بود	اکبر حکیم تھا۔
معمار استادانہ کار می کرد	معمار مہارت سے کام کر رہا تھا۔
او گریاں می آمد	وہ روتا ہوا آ رہا تھا۔
او شعر خوب می خواند	وہ شعر خوب پڑھتا ہے۔
بہرام، احمد و اکبر را سلام کرد	بہرام نے احمد اور اکبر کو سلام کیا۔

من موزہ، کتابخانہ وقلعہ را دیدہ ام   میں نے عجائب گھر، لائبریری اور قلعے کو دیکھا ہے۔

گریرسن کا خیال ہے کو جملے کی یہ ترتیب اردو ہندی میں زمانۂ قدیم سے موجود ہے، لیکن ڈاکٹر شوکت سبز واری اسے فارسی کا اثر بتاتے ہیں [۱۲]۔

حوالے:

۱۔ پنڈت برجموہن کیفی: کیفیہ، کراچی، ۱۹۲۵ء، ص ۴۱۔

۲۔ رضازادہ شفق، تاریخ ادبیاتِ ایران، تہران، ۱۳۲۴ھ ش، ص ۵۰۲۔

۳۔ دکتر صبر ہوا والا، روابطِ پارسیانِ ہند با ایران (مقالہ پی ایچ ڈی، کتابخانۂ دانش کدۂ ادبیات، تہران، یونیورسٹی) ص ۲۔

۴۔ علی بن حسین، مروج الذہب والمعادن الجواہر، پیرس، ۱۹۳۶ء، ص ۱۵۷ ج ۱۔

۵۔ محمد صدیق خان شبلی: تاثیر زبان فارسی بر زبانِ اردو، مرکز تحقیقاتِ فارسی، اسلام آباد، ۱۹۹۲ء، ص ۹۔

۶۔ ایضاً، ص ۹۵

۷۔ ایضاً، ص ۱۶۔ ۴۶

۸۔ ایضاً، ص ۱۳۷

۹۔ ایضاً، ص ۱۳۹

۱۰۔ ایضاً، ص ۱۸۲۔ ۲۳۵

۱۱۔ ایضاً، ص ۱۴۵۔ ۱۶۸

۱۲۔ ڈاکٹر شوکت سبز واری، داستانِ زبانِ اردو، دہلی، ۱۹۱۶ء، ص ۳۔

خود آزمائی:

۱۔ اردو پر فارسی زبان کے اثرات کا مفصل جائزہ قلم بند کریں۔

۲۔ اردو ادب پر فارسی ادب نے کیا اثرات مرتب کیے؟ مثالوں کے ساتھ جواب دیں۔

مجوزہ کتب برائے مطالعہ:

۱۔ ادب نامۂ ایران از مرزا مقبول بیگ بدخشانی۔

۲۔ ایرانی ادب از ڈاکٹر ظہور الدین۔

۳۔ تاریخ مختصر ادبیاتِ ایران از جلال الدین ہمائی۔

۴۔ تاریخ ادبیاتِ ایران از ذبیح اللہ صفا۔

۵۔ فارسی ادب کی مختصر تاریخ از ڈاکٹر محمد صدیق شبلی و ڈاکٹر محمد ریاض۔

یونٹ......٦۔٩

فارسی زبان کے بنیادی قواعد

تحریر: ڈاکٹر عارف نوشاہی

فہرست

صفحہ نمبر

تعارف ---------- 101

مقاصد ---------- 101

ا۔ فعل ---------- 103

فعل کا صرف ہونا/صیغہ اور گردان ---------- 103

مصدر ---------- 104

جعلی مصدر ---------- 104

مصدر کی اقسام: ---------- 105

مفرد مصدر ---------- 105

مرکب مصدر ---------- 105

مرخم مصدر ---------- 106

حاصل مصدر/اسم مصدر ---------- 106

فعل مجہول، فعل لازم اور فعل متعدی ---------- 106

فعل کی اقسام/زمانے کی قسمیں ---------- 108

ماضی مطلق ---------- 109

ماضی قریب ---------- 110

ماضی استمراری	110
ماضی بعید	111
ماضی التزامی	112
فعل مضارع	113
مضارع اخباری	113
مضارع التزامی	114
فعل حال	114
فعل مستقبل	115
واحد، جمع، اسم جمع	116
ضمائر: ضمیرِ شخصی	117
ضمیرِ اشارہ	118
ضمیرِ مشترک	118
اضافت (۵ اقسام)	119
کثیر الاستعمال مصادر	119
خود آزمائی	124
مجوزہ کتب	126

تعارف

اس یونٹ میں آپ فارسی زبان کے چند ایسے نمایاں اور بنیادی قواعد کی تعریف، ان کی تشکیل پانے کا طریقہ اور مثالوں کا مطالعہ کریں گے، جن کا اثر فارسی کے ذریعے اردو ادب پر بھی موجود ہے۔ فارسی قواعد زبان کی تعریفیں قریب قریب وہی ہیں، جو اردو قواعدِ زبان کی ہیں، لیکن ظاہر ہے انھیں بنانے کا طریقہ فارسی کے اپنے اصولوں کے مطابق ہے۔ مثالوں میں کوشش کی گئی ہے کہ زیادہ تر فارسی اشعار سے استفادہ کیا جائے، البتہ اردو شاعری میں فارسی تراکیب کا بلاتکلف استعمال ہونے کی وجہ سے دو ایک مقامات پر اردو اشعار سے بھی مطلوبہ مثالیں پیش کی گئی ہیں، کیونکہ اردو شاعری ساخت کے اعتبار سے فارسی شاعری کے قریب تر ہے۔

اس یونٹ میں فارسی قواعد زبان کے ان جدید رجحانات کو بھی مدِ نظر رکھا ہے، جو اس وقت ایران میں کارفرما ہیں۔ جہاں فارسی ایک زندہ اور متحرک زبان ہے اور وہاں کے ماہرینِ لسانیات آئے دن قواعد زبان میں تجربات کرتے رہتے ہیں، جب کہ ہمارے ہاں اب فارسی کی حیثیت ایک شاندار کلاسک ادب کی محض یادگار کے طور پر رہ گئی ہے اور یہاں کے گزشتہ فارسی ادب کے تناظر میں قواعد کی جو تعریفات اور تشکیل دینے کے طریقے ہمارے اکابر متعین کر گئے تھے، انھیں کسی نے ہاتھ نہیں لگایا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اب یہاں کا اِکا دُکا تفریحِ طبع کے لیے شعری تخلیقات کو چھوڑ کر کوئی نیا جاندار فارسی ادب تخلیق نہیں ہو رہا، لہٰذا فارسی قواعد زبان میں تجربات کی ضرورت بھی محسوس نہیں ہوتی۔

مقاصد

اس یونٹ کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

۱۔ فارسی زبان کے بنیادی قواعد سے آگاہ ہو سکیں۔

۲۔ فارسی مصدر کی علامت سے متعارف ہو سکیں۔

۳۔ اردو میں مستعمل معروف مصادر اور ان کے مضارع سے آشنا ہو سکیں۔

فعل:

فعل عام طور پر جملے کے آخر میں آتا ہے اور بیک وقت چار مختلف حالتیں بیان کرتا ہے:

(الف) کسی کام کے مثبت یا منفی حالت میں انجام پانے کا بیان۔

مثال: شیشہ شکست (شیشہ ٹوٹ گیا) مثبت حالت

شیشہ نشکست (شیشہ نہیں ٹوٹا) منفی حالت

(ب) فاعل کو واضح کرتا ہے:

مثال: رفتہ بودم (میں گیا تھا) یہاں فاعل واحد متکلم ہے

(ج) فاعل کے واحد یا جمع ہونے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

مثال: نوشت (اس نے لکھا) واحد

نوشتند (انھوں نے لکھا) جمع

(د) زمانے کی نشان دہی کرتا ہے۔

مثال: من بہ لاہور رفتہ بودم (میں لاہور گیا تھا) ماضی بعید

مثال 2: مکتب و میکدہ جُز درسِ نبودن ندہند

بودن آموز کہ ہم باشی وہم خواہی بود (اقبال)

دونوں مصرعے فعل پر ختم ہو رہے ہیں۔

فعل کا صرف ہونا/صیغہ اور گردان:

مذکورہ بالا چاروں مفاہیم بیان کرنے کے لیے فعل مختلف زمانوں اور مختلف اشخاص کے لیے مختلف حالتیں اختیار کرتا ہے۔ چونکہ اشخاص کی تعداد تین (متکلم، حاضر، غائب) ہے اور یہ اشخاص واحد یا جمع ہو سکتے ہیں، اس لیے ہر فعل چھے مختلف صورتیں اختیار کرتا ہے۔ اس میں سے ہر ایک صورت یا حالت کو ''صیغہ'' کہا جاتا ہے اور ایک صیغے کو چھ صورتوں میں بیان کرنے کے عمل کو ''گردان کرنا'' کہتے ہیں۔

صیغے کی مثال: آمدم (میں آیا)

گردان کی مثال:

	متکلم	حاضر	غائب
واحد:	آمدم (میں آیا)	آمدی (تو آیا)	آمد (وہ آیا)
جمع:	آمدیم (ہم آئے)	آمدید (آپ آئے)	آمدند (وہ آئے)

مصدر

مصدر وہ لفظ ہے، جو زمانے اور فاعل کی وضاحت کیے بغیر کسی فعل (کام) کے اصل مفہوم کو واضح کرتا ہے۔ فارسی میں مصدر کی علامت یہ ہے کہ اس کے آخر ''ن'' آتا ہے۔ البتہ بعض مصادر میں ''ن'' سے پہلے ''ت'' (تن) اور بعض میں ''د'' (دن) آتا ہے اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ کوئی فارسی مصدر ''تن'' اور ''دن'' کے علاوہ کسی اور لفظ پر ختم نہیں ہوتا۔

مثال: شنیدن (سننا) دویدن (دوڑنا)
شکستن (توڑنا) آمیختن (ملانا)

اشعار اور مصرعوں کی مزید مثالیں:

(الف) نہیں منت کشِ تابِ شنیدن داستاں میری (اقبال)

(ب) دل شکستن ہُنر نمی باشد

(ج) کوہ کن بودن و مجنون گشتن
کارِ شوق است، نہ کارِ من و تست (آفرین)

توجہ رہے کہ بہت سے اسما بھی ''ن'' پر ختم ہوتے ہیں، جو ظاہر ہے، مصدر نہیں ہیں، جیسے: گردن (جسم کا ایک حصہ)، خُفتن (جگہ) تہمتن (ایک ایرانی نام، دلیر، قوی، شجاع اور رستم بن زال کا لقب) اسی لیے مصدر کی تعریف میں اس جملے کا اضافہ کیا جاتا ہے کہ اس کے آخر سے ''ن'' گرا دینے سے باقی جو لفظ بچے گا، وہ ماضی مطلق کا صیغۂ واحد غائب ہوگا۔

جعلی مصدر:

جب کسی اسم، صفت یا عربی زبان کے مصدر کے ساتھ ''یدن'' لگا کر فعل بنایا جائے، تو اس قسم کے مصدر کو ''جعلی مصدر'' کہا جاتا ہے:

مثال: جنگ سے جنگیدن (جنگ کرنا)	''جنگ''	فارسی صفت
طلب سے طلبیدن (مانگنا)	''طلب''	عربی مصدر
فہم سے فہمیدن (سمجھنا)	''فہم''	عربی مصدر
پلنگ سے پلنگیدن (چیتا ہونا)		
تو غزالِ گلشن حُسنی، پلنگیدن چرا؟	(طرزی افشار)	

مصدر کی اقسام:

مصدر کی دو بڑی اقسام ہیں: مفرد مصدر اور مرکب مصدر۔

مفرد مصدر:

جسے سادہ یا بسیط بھی کہتے ہیں۔ وہ مصدر ہے، جو ایک جز (کلمہ) پر مشتمل ہوتا ہے۔

مثالیں: خواندن، رفتن، نوشتن

مرکب مصدر:

کسی صفت یا اسم یا فعل یا حرفِ اضافہ کے دو یا دو سے زائد اجزا/کلمات سے مل کر بنتا ہے اور صرف ایک مفہوم بیان کرتا ہے، مثالیں:

باز + کردن = بازکردن (کھولنا)

بر + داشتن = برداشتن (اٹھانا)

پراگندہ + ساختن = پراگندہ ساختن (بکھیرنا)

تن + در + دادن = تن دردادن (گھٹنے ٹیکنا)

سر + در + آوردن = سردرآوردن (بات سمجھنا)

از + پای + در + آمدن = ازپای درآمدن (گر پڑنا)

مرخم مصدر:

جسے مخفف مصدر بھی کہتے ہیں۔ وہ مصدر ہے، جس کا آخری ''ن'' اگر مصدر ہی کا مفہوم لیا جاتا ہے یا اس مصدر کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے، مثال:

دادوستد (دادن و ستدن)

لین دین (لینا دینا)

''تم کون سے تھے ایسے کھرے داد وستد کے'' (غالب)

حاصل مصدر/ اسم مصدر:

ایسے کلمات جو خود مصدر کی علامات نہیں رکھتے، لیکن مفہوم مصدر ہی کا ادا کرتے ہیں، مثال:

دانستن کی جگہ دانش	(جاننے کے مفہوم میں)
دیدن کی جگہ دیدار	(دیکھنے کے مفہوم میں)
رفتن کی جگہ رفتار	(چلنے کے مفہوم میں)
راندان کی جگہ راندگی	(گاڑی چلانے کے مفہوم میں)

اسم مصدر میں کسی اسم یا صفت کے آخر میں ''ی'' لگا کر مصدر کا حاصل مفہوم بھی لیا جاتا ہے، مثال:

بزرگ	+	ی	=	بزرگی	(بڑا ہونا)
روشن	+	ی	=	روشنی	(جگمگانا/ روشن ہونا)
نیک نام	+	ی	=	نیک نامی	(نیک نام ہونا)

فعل مجہول:

فعل مجہول وہ فعل ہے، جس سے یہ تو معلوم ہو کہ فعل سرزد ہوا ہے، لیکن اس کا فاعل معلوم نہ ہو اور اسے مفعول سے نسبت دی گئی ہو، مثال:

کتاب خواندہ شد (کتاب پڑھی گئی)

زنگ زدہ شد　　　　　(گھنٹی بجائی گئی)

ان دو مثالوں میں یہ واضح نہیں کہ پڑھنے والا (فاعل) اور بجانے والا (فاعل) کون ہے اور فعل کو درحقیقت مفعول سے نسبت دی گئی ہے۔

بنانے کا طریقہ:

فعل مجہول بنانے کے لیے اسم مفعول کو جس فعل کے ساتھ ملانا (منسوب کرنا) مقصود ہو، لے کر معاون فعل ''شدن'' کے ساتھ گردان کی جاتی ہے۔ کبھی معاون افعال گشتن، گردیدن، آمدن کے ساتھ بھی گردان کی جاتی ہے۔

گردان:

دیدن (دیکھنا) مصدر سے فعل مجہول کی گردان یوں ہوگی:

دیدہ شدم	دیدہ شدی	دیدہ شد
دیدہ شدیم	دیدہ شدید	دیدہ شدند

چون غرض آمد، ہنر پوشیدہ شد

صد حجاب از دل بسوی دیدہ شد

فارسی میں عام طور پر فعل مجہول کی جگہ فعل معروف کے استعمال کو ترجیح دی جاتی ہے۔ مثلاً: دُزد گرفتہ شد (چور پکڑا گیا) کی بجائے دُزد را گرفتند (لوگوں نے چور پکڑ لیا) کہتے ہیں۔ فعل مجہول صرف متعدی افعال (مصادر) سے بنتا ہے۔

فعل لازم اور فعل متعدی:

فعل لازم وہ ہے، جو صرف فاعل کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے اور مفعول کی ضرورت نہیں ہوتی۔

مثال: فوزیہ رفت، منیر آمد

اس مثال میں ''رفت'' اور ''آمد'' دونوں فعل لازم ہیں، کیوں کہ فعل صرف فاعل کے ساتھ ختم ہو گیا ہے۔

مستم کن آنچنان کہ ندانم ز بیخودی

در عرصۂ خیال کہ آمد ، کدام رفت

فعل متعدی وہ ہے، جو صرف فاعل کے ساتھ ختم نہ ہوا اور اسے واضح مفعول کی ضرورت ہو۔

مثال: باد شاخ را شکست (ہوا نے ٹہنی توڑ دی)

اس مثال میں ''شکست'' (فعل متعدی) ہے۔

کو محرم رازی کہ اسیرانِ محبت

حالی بنویسند و سلامی برسانند

بنانے کا طریقہ:

عام طور پر فعل لازم سے فعل متعدی بنانے کے لیے اس کے فعل امر کے آخر میں ''اندن'' یا ''انیدن'' لگا دیا جاتا ہے۔

مثال: دویدن (دوڑنا) مصدر سے فعل امر دو

دو	+	اندن	=	دواندن (دوڑانا)
دو	+	انیدن	=	دوانیدن (دوڑانا)

گردان:

دواندم/ دوانیدم	دواندی/ دوانیدی	دواند/ دوانید
دواندیم/ دوانیدیم	دواندید/ دوانیدید	دواندند/ دوانیدند

فعل کی اقسام/ زمانے کی اقسام:

فعل یعنی کسی کام کے انجام پانے کے اصلی زمانے تین ہی ہیں: ماضی (جسے فارسی میں ''گذشتہ'' بھی کہا جاتا ہے) حال، مستقبل جسے فارس میں ''آئندہ'' بھی کہا جاتا ہے، لیکن ان میں سے ہر ایک زمانے میں انجام پانے والے فعل کو بیان کرنے کے لیے صیغے کی صورتیں زمانے کے مطابق بدلتی رہتی ہیں۔

مثال: اگر ہم ''خواندن'' (پڑھنا) فعل (کام) کو زمانۂ ماضی میں بیان کرنا چاہیں، تو اس کی صیغہ واحد غائب کے لیے مندرجہ ذیل چند صورتیں ہوسکتی ہیں:

او کتاب خواند	(اس نے کتاب پڑھی)
او کتاب خواندہ است	(اس نے کتاب پڑھی ہے)

او کتاب می خواند (وہ کتاب پڑھتا تھا)

او کتاب خواندہ بود (اس نے کتاب پڑھی تھی)

او کتاب خواندہ باشد (اس نے کتاب پڑھی ہوگی)

یہ مختلف صورتیں اس لیے پیدا ہوئی ہیں کہ ماضی کی متعدد قسمیں ہیں۔ ان میں سے زیادہ رائج اقسام حسبِ ذیل ہیں۔

ماضی مطلق:

جسے ''ماضی سادہ'' بھی کہتے ہیں۔ ایسا فعل جو گزرے ہوئے زمانے میں انجام پا چکا ہو، لیکن اس میں زمانے کے نزدیک یا دور ہونے یا جاری رہنے یا کسی آرزو، شک یا شرط وغیرہ کا اظہار بالکل نہ ہو۔

مثال: رفتن (جانا) سے رفت (گیا)

بُردن (لے جانا) سے بُرد (لے گیا)

نازم فریبِ صلح کہ غالب زکوی تو

ناکام رفت و خاطرِ امید وار بُرد

بنانے کا طریقہ:

مصدر کی علامت ''ن'' کو ہٹا کر اس کی جگہ حسبِ ذیل حروف لگا دیے جاتے ہیں:

	متکلم	حاضر	غائب
واحد:	+م	+ی	''ن'' ہٹانے سے جو باقی رہتا ہے
جمع:	+یم	+ید	+ ند

مثال: ''رفتن'' مصدر سے علامت ''ن'' ہٹانے سے ''رفت'' باقی رہتا ہے۔

گردان:

رفتم (میں گیا) رفتی (تو گیا) رفت (وہ گیا)

رفتیم (ہم گئے) رفتید (آپ گئے) رفتند (وہ گئے)

''رفتید ولے نہ از دل ما''

ماضی قریب:

جسے ''ماضی نقلی'' بھی کہتے ہیں۔ ایسا فعل جو قریب کے گزرے ہوئے زمانے میں انجام پایا ہو، اسے ''نقلی'' اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ نقل اور روایت کے طور پر گذشتہ زمانے پر دلالت کرتا ہے۔

مثال: دیدن (دیکھنا) سے دیدہ اند (انھوں نے دیکھا ہے)

گردیدن (گھومنا) سے گردیدہ اند (وہ گھومے ہیں)

غالب ترا بہ دَیر مسلمان شمردہ اند

آری، دروغِ مصلحت آمیز گفتہ اند

بنانے کا طریقہ:

ہر فعل کے اسم مفعول کے بعد حسبِ ذیل الفاظ کا اضافہ کیا جاتا ہے۔

	متکلم	حاضر	غائب
واحد:	+ام	+ای	+است
جمع:	+ایم	+اید	+اند

مثال: ''دیدن'' مصدر کا اسم مفعول ''دیدہ'' ہے۔

گردان:

دیدہ ام	دیدہ ای	دیدہ است
دیدہ ایم	دیدہ اید	دیدہ اند

آفاقہا گردیدہ ام، مہرِ بُتان ورزیدہ ام

بسیار خوبان دیدہ ام، امّا تو چیزے دیگری (خسرو)

ماضی استمراری:

وہ فعل جس کا انجام پانا گزشتہ زمانے میں ابھی جاری یا بار بار انجام پا چکا ہو یا عادت ظاہر کرتا ہو۔

مثال: خوردن (کھانا) سے می خورد (وہ کھاتا تھا)

نوشیدن (پینا) سے می نوشیدم (میں پیتا تھا)

مباحثی کہ درآن مجلسِ جنون می رفت

ورای مدرسہ و قال و قیل مسئلہ بود (حافظ)

بنانے کا طریقہ:

ماضی مطلق کے تمام صیغوں سے پہلے "می" کا اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ قدیم فارسی میں "ھمی" کا استعمال بھی ہوا ہے

چشمان او کہ ھمچنان در چشم خانہ می گردید و نظر می کرد (گلستان)

گردان: کردن (کرنا) سے

	متکلم	حاضر	غائب
واحد:	می کردم	می کردی	می کرد
جمع:	می کردیم	می کردید	می کردند

سالہا دل طلبِ جامِ جم از ما می کرد

آنچہ خود داشت ز بیگانہ تمنا می کرد (حافظ)

ماضی بعید:

وہ فعل جو گزرے ہوئے زمانے میں انجام پا چکا ہے۔

مثال: دوختن (سینا) سے دوختہ بود (سیا تھا)

سوختن (جلانا) سے سوختہ بود (جلایا تھا/جلا تھا)

آموختن (سیکھنا/سکھانا) سے آموختہ بود (سکھایا تھا/سیکھا تھا)

گفت وخوش گفت بروخرقہ بسوزان حافظ

یا رب این قلب شناسی ز کہ آموختہ بود؟ (حافظ)

بنانے کا طریقہ:

فعل کے اسم معفول کے بعد مندرجہ ذیل الفاظ کا اضافہ کیا جاتا ہے۔

	متکلم	حاضر	غائب
واحد:	+ بودم	+ بودی	+ بود
جمع:	+ بودیم	+ بودید	+ بودند

گردان: ''فروختن''(بیچنا) سے مفعول ''فروختہ'' ہے۔

فروختہ بودم	فروختہ بودی	فروختہ بود
فروختہ بودیم	فروختہ بودید	فروختہ بودند

''ما کتابخانہ خود را بہ دانشگاہ فروختہ بودیم'' (ہم نے اپنا کتب خانہ یونیورسٹی کو بیچا تھا)

ماضی التزامی:

وہ فعل جو ماضی میں شک یا تمنا یا شرط کے اظہار کے ساتھ انجام پایا ہو، اسی لیے اسے ماضی شکیہ، ماضی تمنائی اور ماضی شرطیہ بھی کہتے ہیں۔

مثال: خفتن (سونا) سے خفتہ باشد (سویا ہو)

گفتن (کہنا) سے گفتہ باشد (کہا ہو)

تا مرد سخن نگفتہ باشد عیب وہنرش نہفتہ باشد

ہر بیشہ گمان مبر کہ خالیست شاید کہ پلنگی خفتہ باشد (سعدی)

بنانے کا طریقہ:

مصدر کے اسم مفعول کے بعد حسبِ ذیل الفاظ کا اضافہ کیا جاتا ہے۔

	متکلم	حاضر	غائب
واحد:	+ باشم	+ باشی	+ باشد
جمع:	+ باشیم	+ باشید	+ باشند

مثال: ''شنیدن'' سے اسم مفعول ''شنیدہ'' ہے۔

گردان:

شنیدہ باشم	شنیدہ باشی	شنیدہ باشد
شنیدہ باشیم	شنیدہ باشید	شنیدہ باشند

امشب صدای تیشہ از بیستون نیامد
شاید بہ خوابِ شیرین فرہاد رفتہ باشد

یہاں مرکب مصدر ''خواب رفتن'' (سونا) استعمال ہوا۔

ماضی التزامی میں یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ اسم مفعول سے پہلے شک کے اظہار کے لیے لفظ ''شاید'' یا ''مگر''، تمنا کے اظہار کے لیے لفظ ''کاش'' اور شرط کے اظہار کے لیے ''اگر'' کا اضافہ ضروری ہے، جیسے:

شاید امروز او رفتہ باشد (شاید وہ آج چلا گیا ہو)	شکیہ
کاش امروز او رفتہ باشد (کاش آج وہ گیا ہو)	تمنائی
اگر امروز او رفتہ باشد (اگر آج وہ گیا ہو)	شرطیہ

فعل مضارع:

وہ فعل ہے، جو عام طور پر بیک وقت زمانۂ حال اور زمانۂ مستقبل پر دلالت کرتا ہے۔

بنانے کا طریقہ:

یہ مصدر سے بنتا ہے۔ چونکہ ہر مصدر کا مضارع الگ الگ اور سماعی ہوتا ہے، اس لیے اسے فارسی قواعد زبان کا سب سے پیچیدہ مسئلہ سمجھا جاتا ہے۔

مضارع کی دو بڑی قسمیں یہ ہیں: مضارع اخباری، مضارع التزامی۔

مضارع اخباری:

ایسے کام کے بیان کے لیے ہے، جو زمانۂ حال میں ابھی انجام پا رہا ہے۔

مثال: ''نوشتن'' مصدر سے ''نویسد'' مضارع ہے۔

من نامہ می نویسم (میں خط لکھ رہا ہوں)

یا ایسے کام کے اظہار کے لیے، جو آنے والے زمانے میں انجام پائے گا۔

مثال: ''رفتن'' مصدر سے ''رَوَدْ'' مضارع ہے۔

من فردا بہ لاہور می روم (میں کل لاہور جا رہا ہوں، لیکن مراد یہ کہ: میں کل لاہور جاؤں گا)

یا ایسے کام کے بیان کے لیے جو ہمیشہ (ماضی، حال، مستقبل میں) انجام پانے کی حالت میں ہے۔

مثال: آب بہ سراشیب می رَوَد (پانی ڈھلوان کی طرف جاتا ہے، یعنی ماضی میں بھی پانی ڈھلوان کی طرف جاتا تھا، حال میں بھی ڈھلوان کی طرف جا رہا ہے اور مستقبل میں بھی ڈھلوان کی طرف ہی جائے گا۔)

مضارع التزامی:

وہ کام جو زمانۂ حال یا زمانۂ مستقبل میں شک یا تمنا یا شرط کے ساتھ انجام پا رہا ہوتا ہے، اس کے اظہار کے لیے سادہ مضارع سے پہلے ''ب'' کا اضافہ کیا جاتا ہے۔

مثال: شاید امروز او بروَد (شاید وہ آج چلا جائے) شک کے ساتھ۔

اگر فردا باران ببارد (اگر کل بارش برسے/ اگر کل بارش برسے گی) شرط کے ساتھ۔

کاش او بیاید (کاش وہ آ جائے) آرزو کے ساتھ۔

فعل حال:

وہ کام جو زمانۂ حال میں انجام پا رہا ہے۔

مثال: نشست (بیٹھنا) سے می نشیند

دادن (دینا) سے می دہد

ابر می بارد و من می شوم از یار جدا (امیر خسرو)

بنانے کا طریقہ: سادہ مضارع سے پہلے ''می'' (قدیم فارسی میں ''ہمی'') کا اضافہ کیا جاتا ہے۔

گردان:

سادہ مضارع کی علامت یہ ہے کہ وہ ''د'' پر ختم ہوتا ہے، جو واحد غائب کا صیغہ بھی ہے۔ باقی صیغوں کے لیے ''د''

کی جگہ مندرجہ ذیل حروف استعمال ہوں گے۔

متکلم	حاضر	غائب
(می)+م	(می)+ی	(می)+د
(می)+یم	(می)+ید	(می)+ند

دادن (دینا) مصدر سے سادہ مضارع ''ہ +دٗ''۔

می دہم	می دہی	می دہد
می دہیم	می دہید	می دہند

جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ مضارع اخباری بھی فعل حال ہی کا مفہوم ادا کرتا ہے، اس لیے جدید فارسی قواعد کی کتابوں میں فعل حال کا مضارع اخباری کے ساتھ ذکر کر دیا جاتا ہے۔

فعل مستقبل:

وہ فعل جو آنے والے زمانے میں انجام پانے والے کام پر دلالت کرتا ہے، مثال:

نگاشتن (لکھنا)	سے	خواہد نگاشت (وہ لکھے گا)
داشتن (رکھنا)	سے	خواہد داشت (وہ رکھے گا)
ماندن (رہنا)	سے	خواہد ماند (وہ رہے گا)

رسید مژدہ کہ ایامِ غم نخواہد ماند
چنان نماند، چنین نیز ہم نخواہد ماند (حافظ)

بنانے کا طریقہ:

مصدر کی علامت ''ن'' ختم کر کے جو صیغہ (واحد غائب) باقی رہتا ہے، اس سے پہلے مندرجہ ذیل الفاظ کا اضافہ کرتے ہیں:

	متکلم	حاضر	غائب
واحد:	خواہم+	خواہی+	خواہد+
جمع:	خواہیم+	خواہید+	خواہند+

گردان:

''آمدن'' مصدر کی علامت ''ن'' ختم کرنے سے ''آمد'' باقی رہتا ہے۔

خواہم آمد	خواہی آمد	خواہد آمد
خواہیم آمد	خواہید آمد	خواہند آمد

خبرم رسید امشب کہ نگار خواہی آمد

سرِ من فدای راہی کہ سوار خواہی آمد (امیر خسرو)

جدید فارسی قواعد زبان اور ایران میں بول چال کی فارسی میں مضارع اخباری ہی سے **فعل مستقبل** کا مفہوم ادا کیا جاتا ہے (جیسا کہ مضارع کی بحث میں گزر چکا ہے)۔ تاہم قدیم اور کتابی فارسی میں **فعل مستقبل** کا جداگانہ تشخص موجود ہے۔

واحد، جمع، اسم جمع:

اسم کی تین قسمیں ہیں: واحد (یا مفرد)، جمع، اسم جمع

واحد: اسم واحد (مفرد) کسی ایک چیز یا فرد کے مفہوم پر دلالت کرتا ہے اور اس کی کوئی خاص علامت نہیں ہے، جیسے: پدر، مادر، درخت، کاغذ، قلم، سنگ۔

جمع: ایک سے زیادہ چیزوں یا افراد یا مفاہیم پر دلالت کرتا ہے۔ اسم واحد (مفرد) کے بعد ''ان'' یا ''ہا'' کا اضافہ کیا جاتا ہے۔

مثالیں:					
پدر	سے	پدران	کاغذ	سے	کاغذہا
مادر	سے	مادران	قلم	سے	قلم ہا
درخت	سے	درختان	سنگ	سے	سنگ ہا

جو اسما واحد یا صفات مفرد ہا غیر ملفوظ پر ختم ہوتے ہیں، ان سے جمع بنانے کے لیے ''ان'' کی جگہ ''گان'' کا اضافہ کیا جاتا ہے۔

مثالیں:					
ستارہ	سے	ستارگان	فرشتہ	سے	فرشتگان
سرگشتہ	سے	سرگشتگان	رفتہ	سے	رفتگان

تاہم جدید فارسی میں بالخصوص ایران میں بول چال کی فارسی میں مفرد سے جمع بنانے کے مذکورہ بالا قواعد کا امتیاز اور پابندی ختم ہو کر رہ گئی ہے اور ''ستارہ'' سے ''ستارہ ہا'' جمع بھی بنائی جاتی ہے۔

جمع کی مثالیں:

۱۔ قلندر جز دو حرف لا الہ کچھ بھی نہیں رکھتا
فقیہِ شہر قاروں ہے لغت ہائے حجازی کا (اقبال)

۲۔ تسکیں کو ہم نہ روئیں جو ذوقِ نظر ملے
حورانِ خلد میں تری صورت مگر ملے (غالب)

۳۔ کشتگانِ خنجرِ تسلیم را
ہر زماں از غیب جانی دیگر است (احمد جام)

اسم جمع: فارسی (اور عربی) کے بعض اسما ایسے ہیں، جو جمع کی مخصوصی علامتیں تو نہیں رکھتے، لیکن مفہوم جمع کا ادا کرتے ہیں۔ یہ اسما خود واحد (مفرد) حالت میں ہیں، لیکن معنی کے اعتبار سے جمع ہیں۔ ایسے تمام الفاظ کو ''اسم جمع'' کہا جاتا ہے، جیسے: گروہ، دستہ، مردم، طایفہ، لشکر، قبیلہ، جماعت وغیرہ۔ ان اسما کے آخر میں ''ان'' یا ''ہا'' کا اضافہ کر کے جمع بنائی جاتی ہے اور یہ اپنی واحد (مفرد) حالت میں جمع کے صیغے کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں۔

مثال: بہ آن گروہ کہ از ساغرِ وفا مستند
(اسم جمع — جمع کا صیغہ)

سلام ما برسانید ہر کجا ہستند
(جمع کا صیغہ)

ضمائر:

ضمائر وہ حروف یا الفاظ ہیں، جو اسم کی جگہ استعمال ہوتے ہیں۔ ضمیر کی تین اہم قسمیں ہیں۔ شخصی، اشارہ، مشترک۔

ضمیر شخصی: وہ ضمیر ہے، جو تین اشخاص (متکلم، حاضر، غائب) واحد اور جمع دونوں پر دلالت کرے۔

	متکلم	حاضر	غائب
واحد:	من/م	تو/ت	او/ش

جمع: ما/مان شما/تان ایشان/شان

مثال:

کتابِ من/کتابم	کتابِ تو/کتابت	کتابِ او/کتابش
کتابِ ما/کتابمان	کتابِ شما/کتابتان	کتابِ ایشان/کتابشان

عمرم بہ آخر آمد و روزم بہ شب رسید
مستی و بت پرستی من ہمچناں ہنوز (امیر خسرو)

ضمیرِ اشارہ:

جسے اسمِ اشارہ بھی کہتے ہیں۔ وہ ضمیر ہے، جو کسی شخص یا چیز کو اشارے کے ساتھ واضح کرے۔ فارسی میں نزدیک کے اشارے کے لیے لفظ ''این'' اور دور کے اشارے کے لیے ''آن'' استعمال ہوتا ہے۔

مثال: **قطعہ**

بو علی اندر غبارِ ناقہ گم دستِ رومی پردۂ محمل گرفت
این فروتر رفت و تا گوہر رسید آن بگردابی چوخس منزل گرفت (اقبال)

اس قطعے میں ''این'' رومی کی طرف اور ''آن'' بوعلی کی طرف اشارہ ہے۔

ضمیرمشترک:

وہ ضمیر ہے، جو ایک صیغہ یعنی لفظ ''خود'' کے ساتھ تین اشخاص (متکلم، حاضر، غائب) کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ کبھی ''خود'' کی جگہ ''خویش'' اور ''خویشتن'' کے الفاظ بھی استعمال ہوتے ہیں۔

واحد متکلم کے ساتھ ''خود'' کی مثال:

من خود ای ساقی ازین شوق کہ دارم مستم
تو بیک جرعۂ دیگر ببری از دستم (سعدی)

واحد غائب کے ساتھ ''خویش'' کی مثال:

''اکبر در عہد خویش پادشاہی مقتدر بود''

واحد متکلم کے ساتھ ''خویشتن'' کی مثال:

گر بر سر صلح آورد روزی پشیمانی مرا
چندان بگریم کز دلت شویم غبارِ خویشتن (نظیری)

اضافت/اضافہ:

فارسی زبان میں اضافت/اضافہ ایک ایسی باکمال اور مفید علامت ہے، جس کے استعمال سے مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان کئی طرح کے تعلقات کا اظہار ہوسکتا ہے۔ یہ علامت زیر/کسرہ (ــــِ) کی ہے۔ اضافت کی چند قسمیں حسبِ ذیل ہیں۔

۱۔ اضافتِ ملکی: ملکیت ظاہر کرنے کے لیے ہے، جیسے: کتاب من (میری کتاب)

۲۔ اضافتِ تخصیصی: خصوصیت ظاہر کرنے کے لیے ہے، جیسے: وزارتِ تعلیم

۳۔ اضافتِ توضیحی: اس میں مضاف عام نام اور مضاف الیہ مضاف کا نام ہے اور مضاف کے بارے میں وضاحت کرتا ہے، جیسے: شہرِ اسلام آباد۔

۴۔ اضافتِ تشبیہی: جس میں مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان شباہت کا رابطہ ظاہر ہوتا ہے، جیسے: قدِ سرو

۵۔ اضافتِ بنوت (فرزندی): جس میں بیٹے/ بیٹی کا نام اس کے باپ/ ماں کے نام کے ساتھ (درمیان میں لفظ ''بن'' یا ''بنت'' لائے بغیر) جوڑا جاتا ہے، یعنی مضاف، مضاف الیہ کی اولاد ہے، جیسے: عمرِ خطاب (یعنی عمر بن خطاب)، مریمِ عمران (مریم بنتِ عمران)، محمودِ سبکتگین (یعنی سبکتگین کا بیٹا محمود)۔

کثیر الاستعمال مصادر

مصدر	معنی	مضارع
آفریدن	پیدا کرنا	آفریند
آمدن	آنا	آید
آموختن	سکھانا/سیکھنا	آموزَد
آمیختن	ملنا/ ملانا	آمیزد

مصدر	معنی	مضارع
آوردن	لانا	آورَد
افتادن	گرنا	اُفتد
انداختن	ڈالنا/ پھینکنا	اندازد
باریدن	برسنا	بارد
باشیدن	ہونا/ رہنا	باشد
بافتن	بُننا	بافد
بخشیدن	بخشنا	بخشد
برخاستن	اٹھنا	برخیزد
بردن	لے جانا	برد
بریدن	کاٹنا	بُرد
بستن	باندھنا	بندد
بودن	ہونا/ رہنا	بود
پُرسیدن	پوچھنا	پُرسد
پریدن	اڑنا	پرد
پوشیدن	پہننا/ چھپانا	پوشد
پیوستن	ملنا/ ملانا	پیوندد
ترسیدن	ڈرنا	ترسد
توانستن	سکنا	تواند
جستن	ڈھونڈنا	جوید
چشیدن	چکھنا	چشد
چکیدن	ٹپکنا	چکد

مصدر	معنی	مضارع
چیدن	چننا	چیند
خاستن	اٹھنا	خیزد
خفتن	سونا	خوابد
خندیدن	ہنسنا	خندد
خوابیدن	سونا	خوابد
خواستن	چاہنا	خواہد
خواندن	پڑھنا	خواند
خوردن	کھانا	خورد
دادن	دینا	دہد
داشتن	رکھنا	دارد
دانستن	جاننا	داند
دریافتن	وصول کرنا/سمجھنا	دریابد
دریدن	پھاڑنا	درد
دزدیدن	چرانا	دزدد
دوختن	سینا	دوزد
دویدن	دوڑنا	دوَد
دیدن	دیکھنا	بیند
ربودن	لے جانا	رباید
رسیدن	پہنچنا	رسد
رفتن	جانا	روَد
ریختن	ڈھالنا/ ڈالنا/گرانا	ریزد

مصدر	معنی	مضارع
زادن	جنم دینا	زاید
زاییدن	جنم دینا	زاید
زدن	مارنا	زنَد
زیستن	جینا	زید
ساختن	بنانا	سازَد
سپردن	سونپنا	سپارد
ستودن	تعریف کرنا	ستاید
سراییدن	گانا/شعر کہنا	سراید
سرودن	گانا/شعر کہنا	سراید
سوختن	جلانا/جلنا	سوزد
شدن	ہونا	شَود
شُستن	دھونا	شوید
شکستن	توڑنا	شکند
شناختن	پہچاننا/تسلیم کرنا	شناسد
شنیدن	سننا	شنود
فرستادن	بھیجنا	فرستد
فروختن	بیچنا	فروشد
فزودن/افزدون	بڑھانا	فزاید/افزاید
فهمیدن	سمجھنا	فهمد
کاشتن	بونا	کارَد
کردن	کرنا	کند
کشتن	مارڈالنا	کُشد

مصدر	معنی	مضارع
کشیدن	کھینچنا	کشَد
گذشتن	گزرنا	گذرد
گردیدن	گھومنا/ ہونا	گردد
گرفتن	پکڑنا	گیرد
گریختن	بھاگنا (فرار ہونا)	گریزد
گریستن	رونا	گرید
گزاردن	(فرض) ادا کرنا	گزارد
گزیدن	کاٹنا	گزَد
گزیدن	انتخاب کرنا	گزیند
گشادن	کھولنا	گشاید
گشتن	پھرنا/ ہونا	گردد
گفتن	کہنا	گوید
لرزیدن	کانپنا	لرزد
ماندن	رہنا	ماند
مردن	مرنا	میرد
نالیدن	آہ وزاری کرنا	نالَد
نشستن	بیٹھنا	نشینَد
نگاشتن	لکھنا	نگارد
نگریستن	دیکھنا	نگرد
نمودن	دیکھنا/ دکھانا	نماید
نوشتن	لکھنا	نویسد
نوشیدن	پینا	نوشد

مصدر	معنی	مضارع
نہادن	رکھنا	نہد
ورزیدن	کام کرنا	ورزد
وزیدن	ہوا کا چلنا	وزد
یافتن	پانا	یابد

خود آزمائی:

۱۔ مصدر کی کیا خاص علامت ہے؟ مندرجہ ذیل شعر میں مصادر کی نشاندہی کریں۔

یک روز صرف بستن دل شد به این و آن

روزی وگر به کندن دل زین و آن گذشت

۲۔ مندرجہ ذیل شعر میں مصدر کی کون سی قسم کا استعمال ہوا ہے؟

سخنِ عشق نه آنست که آید بزبان

ساقیا! می ده و کوتاه کن این گفت و شنفت

۳۔ ''گفتن'' اور ''کردن'' مصادر سے حاصل مصدر/ اسم مصدر کیا ہیں؟

۴۔ ''گرفتن'' مصدر سے جمع حاضر صیغے میں ماضی مطلق کیا ہے؟

۵۔ ماضی قریب میں واحد متکلم صیغے کے لیے اسم مفعول کے بعد کس لفظ کا اضافہ کیا جاتا ہے؟

۶۔ مندرجہ ذیل شعر میں کس ماضی کے کون سے صیغے استعمال ہوئے ہیں؟

عجب می داشتم دیشب ز حافظ جام و پیمانه

ولی منعش نمی کردم کے صوفی وار می آورد

۷۔ مندرجہ ذیل شعر میں ماضی بعید کے فعل کی نشان دہی کریں۔

دوش می آمد و رخساره بر افروخته بود

تا کجا باز دل غمزده ای سوختہ بود

۸۔ مندرجہ ذیل شعر میں ماضی التزامی کا استعمال ہوا ہے۔نشان دہی کریں۔

شادم کہ از رقیبان دامن کشان گذشتی
گو مشتِ خاک ماہم برباد رفتہ باشد

۹۔ اس شعر میں مضارع التزامی کی نشان دہی کریں۔

بدریا در منافع بیشمار است
وگر خواہی سلامت بر کنار است

۱۰۔ اخباری مضارع کن دو افعال یا زمانوں پر دلالت کرتا ہے۔مندرجہ ذیل جملے میں اخباری مضارع کس زمانے پر دلالت کر رہا ہے؟

''من ان شاء اللہ سال آیندہ بہ حج می روم''

۱۱۔ مندرجہ ذیل شعر میں مستقبل کا کون سا صیغہ استعمال ہوا ہے؟

تازہ میخانہ و می نام و نشان خواہد بود
سرِ ما خاکِ رہ پیرِ مغان خواہد بود

۱۲۔ فارسی میں واحد سے جمع بنانے کی کون کون سی علامتیں ہیں؟حسبِ ذیل اشعار میں واحد اور جمع الفاظ کی نشان دہی کریں۔

شبِ تاریک وبیمِ موج وگردابی چنین حائل
کجا دانند حالِ ما سبکسارانِ ساحلہا
جانا مگذر نمک پاشان
بر سوختگانِ سینہ ریشان

۱۳۔ مندرجہ ذیل شعر میں اسم اشارہ کی نشان دہی کریں۔

عصیانِ ما و رحمتِ پروردگارِ ما
این را نہایتی ست و نہ آن رانہایتی

۱۴۔ مندرجہ ذیل شعر میں کچھ اضافتیں آئی ہیں۔علیحدہ علیحدہ نشان دہی کریں۔

ہر می لعل کزان دست بلورین ستدیم

آبِ حسرت شد و در چشمِ گُہر بار بماند

۱۵۔ مندرجہ ذیل شعر میں فعل مجہول کی نشان دہی کریں۔

خوشتر آن باشد کہ سرِ دلبران

گفتہ آید در حدیثِ دیگران

۱۶۔ مندرجہ ذیل شعر میں فعل لازم کی نشان دہی کریں۔

بسی رنج بردم در این سال سی

عجم زندہ کردم بدین پارسی

۱۷۔ مندرجہ ذیل عبارت میں فعل متعدی کی نشان دہی کریں۔

''ایزد تعالی برزبانِ آن راناد کہ فردا در قیامت از آن خجل نباشد''۔ (امام غزالیؒ)

مجوزہ کتب:

(الف) پاکستان و ہند کے مصنفین

۱۔ آزاد، محمد حسین؛ جامع القواعد، سیکنڈری ایجوکیشن بورڈ، لاہور، ۱۹۵۷ء

۲۔ ابوذر بخاری، سید؛ کان پارسی، مکتبۂ احرار الاسلام، ملتان، ۱۹۶۵ء

۳۔ ارشد، اے ڈی؛ انٹرمیڈیٹ فارسی گرامر، خواجہ بک ڈپو، لاہور، س ن

۴۔ بشیر حسین، محمد؛ فعل مضارع در زبان فارسی، اظہار سنز، لاہور، ۱۹۷۵ء

۵۔ رانجھا، محمد نذیر؛ جدید فارسی گرامر/ دستورِ فارسی نوین، عتیق پبلشنگ ہاؤس، لاہور

۶۔ ظفر، محمد سرفراز، دستورِ مختصر زبانِ دری، انسٹی ٹیوٹ آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد ۱۹۸۳ء

۷۔ ظہورالدین احمد، دستورِ فارسی، یونیورسٹی بک ایجنسی، لاہور، ۱۹۵۷ء

۸۔ عبدالرشید قاضی، مصدر نمای فارسی، ناشر: مصنف، راول پنڈی، ۱۹۶۶ء

۹۔ وہی مصنف، مصدر ہای فارسی، امرتسر بک ڈپو، راول پنڈی، ۱۹۷۱ء

۱۰۔ عبداللطیف، محمد، آئینِ فارسی، جان بک ڈپو، لاہور، ۱۹۵۸ء

۱۱۔ نجم الغنی خان رام پوری، محمد، نہج الادب، منشی نول کشور، لکھنو، ۱۹۱۹ء
۱۲۔ وزیر الحسن، سید، دستورِ فارسی بسبکِ جدید، یونیورسٹی بک ڈپو ایجوکیشنل پبلشرز، دہلی، س ن

(ب) ایرانی مصنفین:

۱۳۔ ابوالقاسمی، محسن، دستورِ تاریخی زبانِ فارسی، سازمان مطالعہ تدوین علوم انسانی دانش گاہ، ۱۳۷۵ شمسی
۱۴۔ پنج استاد (عبدالعظیم قریب، محمد تقی بہار، بدیع الزمان فروزانفر، جلال ہمائی، رشید یاسمی)، دستورِ زبانِ فارسی (برای سال سوم و چہارم دبیرستانہا) چاپخانۂ علی اکبر علیم، تہران، س ن۔
۱۵۔ جواد مشکور، محمد، دستورنامہ در صرف و نحو زبانِ فارسی، موسسہ مطبوعاتی شرق، تہران، ۱۳۶۳ شمسی۔
۱۶۔ مرزبان داد، علی، دستورِ سودمند (شامل قواعد دستوری و تجزیہ و ترکیب)، انتشاراتِ جہاد دانشگاہی شہید بہشتی، تہران، ۱۳۷۰ شمسی۔
۱۷۔ معینیان، مہدی، دستورِ زبانِ فارسی (بہ ہمراہ انواع شعر و صنایع ادبی)، تہران، ۱۳۶۳ شمسی۔
۱۸۔ ہمایونفرخ، عبدالرحیم، دستورِ جامع زبانِ فارسی (ہفت جلد در یک مجلد)، بہ کوشش رکن الدین، ہمایونفرخ، انتشاراتِ مطبوعاتِ علی اکبر علمی، تہران، ۱۳۳۷ شمسی۔